حضرت ابراہیم علیہ السلام

اپنی ذات میں ایک امت

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
(مشیر شرعی برائے اسلامی امور مملکت بحرین)

ایفا پبلی کیشنز- نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب: حضرت ابراہیم اپنی ذات میں ایک امت

مصنف: ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

کمپوزنگ: محمد سیف اللہ

صفحات: ۹۲

سن طباعت: فروری ۲۰۱۲ء

قیمت: ۷۰/روپے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱ - ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 26981327 - 011

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

مقدمہ ۷

پہلی بحث: حضرت ابراہیم قرآن وسنت کی روشنی میں ۱۲

گوشہ اول: حضرت ابراہیم قرآن کی روشنی میں ۱۲

۱-تمام امت کا نام حضرت ابراہیم کے ساتھ جڑنا ۱۳

۲-حضرت ابراہیم پر ایمان لانے کے بعد ان کی شریعت کی پیروی ۱۳

۳-حضرت ابراہیم بحیثیت ابو الانبیاء ۱۴

۴- حضرت ابراہیم کا ارکان حج کے ساتھ ربط وتعلق ۱۴

۵- اللہ تعالی نے غیر قوموں کے مقابلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں کو افضل قرار دیا ۱۵

گوشہ ثانی: حضرت ابراہیم حدیث نبوی کی روشنی میں ۱۷

۱-حضرت محمد ﷺ کچھ چیزوں میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم کے مشابہ ہیں ۱۷

۲-حضرت ابراہیم آپ کی بیوی حضرت سارہ اور ظالم بادشاہ ۱۸

۳-حضرت ابراہیم آپ کا خاندان اور خانہ کعبہ ۲۰

۴-حضرت ابراہیم مکہ کی حرمت اور اس کے لئے برکت کی دعا ۲۶

۵-خانہ کعبہ کی تعمیر میں حضرت ابراہیم کی طرز میں کمی ۲۷

۶-حضرت ابراہیم کے ساتھ ارکان حج کا رشتہ ۲۹

۷-حضرت ابراہیم کا رکن نماز کے ساتھ تعلق	۳۰
۸-حدیث نبوی کی روشنی میں حضرت ابراہیم کی بے مثال خصوصیات	۳۲
دوسری بحث: حضرت ابراہیم اور آپ کے سات لازمی پہلو کی تکمیل	۳۵
۱-آپ کا رب العزت کے ساتھ گہرا تعلق	۳۵
۲-والد محترم کے ساتھ حسن سلوک اگرچہ وہ کافر ہوں	۴۳
۳-حضرت ابراہیم کا اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت	۴۷
۴-حضرت ابراہیم کا اپنی اولاد کے ساتھ حسن تربیت	۵۰
۵-حضرت ابراہیم کا اپنی قوم اور معاشرہ کو نصیحت و خیر خواہی	۵۶
۶-حضرت ابراہیم کا سیاسی طاقتوں کے ساتھ مثبت پہلو	۶۴
۷-حضرت ابراہیم کا اصلاح مستقبل کی منصوبہ بندی	۶۶
تیسری بحث: سیرت ابراہیمی کا تجزیہ اور خلائیں	۶۹
خلاصہ	۸۶
کلمہ غلاف	۹۱

مقدمہ

تمام تعریفیں اس رب العزت کے لئے ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور تاریکیاں اور روشنی بنائی، پھر جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا وہی لوگ راہ راست سے بھٹکنے والے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں جیسا کہ کلام الٰہی میں ہے: "الله يصطفي من الملائكة رسلاً ومن الناس إن الله سميع بصير" (اللہ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو منتخب کرتا ہے بے شک اللہ بہت زیادہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے) اور ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندہ اور اس کے سچے رسول ہیں اور ہم اس بات کے بھی گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے پیغام ہم تک پہنچا دیا اور امانت ادا کردی اور قوم کو نصیحت کی، آپ ﷺ کے ذریعہ اللہ نے پوشیدہ رازوں سے پردہ ہٹایا آپ اخیر وقت تک اللہ کے دین کی خاطر سرگرم عمل رہے آپ پر اور آپ کے اہل وعیال، اصحاب کرام اور قیامت تک آنے والے متبعین کا درود وسلام اور رحمت وبرکت نازل ہو۔

ہمارا موضوع بحث ہے ''حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں بحیثیت امت'' جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "إن إبراهيم كان أمة قانتاً لله حنيفاً ولم يك من المشركين شاكراً لأنعمه اجتباه وهداه إلى صراط مستقيم" (سورہ نحل: ۱۲۰-۱۲۱) (بے شک ابراہیم ایک امت تھے اللہ کی طرف تمام ادیان سے ہٹ کر رجوع کرنے والے اور خشوع وخضوع اختیار کرنے والے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ اللہ

نے انہیں منتخب کیا اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کی)۔

جہاں تک اس موضوع بحث کا تعلق ہے تو یہ تقریباً دس سالوں سے چلا آرہا ہے، جب بھی غور وفکر کے ساتھ اور تعلق مع اللہ کو ذہن ودماغ میں رکھ کر نماز میں تلاوت کرتا ہوں اور تشہد میں درود ابراہیمی پر پہنچتا ہوں تو میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ہر نماز میں آخر یہ درود کیوں پڑھتے ہیں: "**اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی إبراهیم وعلی آل إبراهیم، وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی إبراهیم وعلی آل إبراهیم إنک حمید مجید**"۔

میں سوچتا تھا کہ جب ہمارے رسول تمام رسولوں کے سردار ہیں تو پھر ہماری نمازوں کا یہ کیا طریقہ ہے کہ ہم اللہ سے اسی طرح اپنے نبی پر درود وسلام اور رحمت وبرکت کی دعا کی درخواست کرتے ہیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود ورحمت کی۔

میں نے سرسری نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہماری زندگی میں دیگر انبیاء کے مقابلہ ایک نمایاں خصوصیت وکردار ہے، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے ہی ہم لوگوں کو سب سے پہلے مسلم قوم کے لقب سے سرفراز کیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "**ھو سماکم المسلمین من قبل**" (الحج:۷۸) (ابراہیم نے ہی اس سے پہلے تم لوگوں کا نام مسلمان بنایا)، اور اس کے علاوہ قربانی اور ارکان حج کا تعلق بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی سے پہلے جڑتا ہے جو کہ عقیدہ توحید کی قوت وطاقت، اسباب اختیار کرنے، شیطان کے وسوسوں کا مقابلہ کرنے اور اللہ کے حکم پر قائم رہنے کی صورت کو زندہ جاوید رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے، بے شک عید قرباں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اپنی سخت آزمائش میں کامیابی کے بعد اللہ کی طرف سے تحفہ وانعام ہے، اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے رسول قرار پائے، بلکہ اکثر انبیاء کرام کو اللہ نے ملت ابراہیمی کی پیروی کی تاکید کے لئے اتارا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "**ثم**

أوحينا إليک أن اتبع ملة إبراهيم حنيفا وما كان من المشركين" (النحل:۱۲۳)(پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ملت ابراہیمی کی پیروی کریں جو کہ امت کے لئے یکسو ہونے والے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، اور دوسری جگہ ارشاد ہے:"ومن يرغب عن ملة إبراهيم إلا من سفه نفسه ولقد اصطفيناه في الدنيا وإنه في الآخرة لمن الصالحين" (البقرۃ:۱۳۰)(اور کون ملت ابراہیمی سے روگردانی کرسکتا ہے مگر وہی جو اپنے آپ کو بے وقوف ٹھہرائے اور بے شک ہم نے ان کو دنیا میں چن لیا تھا اور آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے)۔

اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ طائرانہ نظر کے بجائے غائرانہ نظر ڈالوں کہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت وخصوصیت کو امتیازی شکل میں آخر کیوں پیش کیا گیا ہے، ایسے مقام پر جہاں فقہ وتدبر کے مباحث آتے ہیں پھر میں نے ممکن حد تک احادیث نبویہ کو جمع کیا، خصوصاً صحاح سے اور عام طور سے کتب سنن اور دیگر احادیث مرویہ سے تاکہ میں ان نصوص پر کلی طور پر غور کرسکوں جو ہمارے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حقیقی سیرت وکردار کی تصویرکشی کریں، اور یہ ایک ایسا علمی طریقہ ہے جس کے فوائد کو میں ضروری سمجھتا ہوں، اسی وجہ سے ہم نے یہ موضوع اختیار کیا ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا تتبع کیا ہے اور مکمل معانی اور پاکیزہ آثار اخذ کیا ہے اور یہ تحقیق دلکش اور خوشنما ہے، افکار وحقائق، لطف اندوز اور فرحت بخش باتیں قرآن وحدیث کے اندر وافر مقدار میں موجود ہیں، اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت اور تمام نبیوں کی سیرت میں بھی یہ چیزیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ان چیزوں کی تلاش وجستجو کے بعد جو بات میرے ذہن میں سب سے پہلے آئی وہ یہ ہے کہ اس میدان میں ایک شخص بذات خود امت اور قوم ہے کہ اس میں ایک شخص امت کی طرح ہے اور امت کے غم میں زندگی بسر کرنے والے اور امت کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ امت صرف اپنے لباس اور کھانے پینے کا اہتمام کرتی ہے جب کہ امت کے غم میں زندگی بسر

کرنے والا اپنے حاضر و مستقبل پر نظر رکھتا ہے اور اپنی قوم و معاشرہ کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام یقیناً اپنی ذات میں بحیثیت امت ہیں، کافی غور و فکر کے بعد میں یہاں تک پہنچا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کا ذکر قرآن پاک میں ۶۹ مرتبہ آیا ہے، وہ اس اللہ عز وجل کے خلیل ہیں جس نے تمام میدانوں میں ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کو لازم قرار دینے کو کمال سیرت سے تعبیر کیا، تنگی و خوشحالی میں کافروں اور مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ کرنے اور اپنے والدین بیوی، بچے، معاشرہ، قوم اور ساری دنیا کے ساتھ سلوک کرنے کے تمام معاملات میں ان کی سیرت کو لازم پکڑنے ہی کو کمال سیرت قرار دیا۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو فرائض کی ادائیگی میں ہمارے اندر بہت ساری خامیاں ہیں، مثلاً ہمارا ایک مسلمان جو صف اول میں امام کے ساتھ نماز پڑھنے کا عادی ہے، جب اس کی رکعت اولی اور تکبیر تحریمہ فوت ہوجاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو سخت ملامت کرتا ہے یقیناً یہ ایک بہتر امر ہے، لیکن وہی شخص متعین وقت میں دین کے دیگر فرائض انجام دینے کا اہتمام نہیں کرتا ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری اندرون مسجد اور بیرون مسجد کے فرائض کے انجام دہی میں کتنا بڑا خلا ہے، ایسے وقت میں ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اسلامی اصول کو مساجد سے نکال کر سڑکوں کی طرف اور یونیورسیٹیوں سے اداروں کی طرف لائیں تاکہ اسلام اللہ کی سرزمین میں ہر جگہ بلند و بالا ہوکر رہے۔

اب میں اس موضوع کے اندر ان ساتوں فرائض کے مکمل پہلو کو بیان کرنا چاہتا ہوں جس نے حضرت ابراہیم کو تمام انسانیت کے لئے اور ہر جگہ کے لئے ایک اسوہ بنا کر پیش کیا، ہم سوچتے ہیں کہ شریعت کے اصول قوانین اصولی طور پر ماننے کے بجائے اسے تطبیقی طور پر اپنی زندگی میں شامل کریں تاکہ ہم نفس کے ساتھ انصاف کرنے میں جرأت مندی کا مظاہرہ کرسکیں کیونکہ مثل ہے ”بہادر وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرتا ہے“۔

بایں طور کہ اس معنی خیز مثال کے ذریعہ اپنی حقیقی زندگی میں اللہ کے احکام کی پابندی

کرنے میں مدد لے سکیں تاکہ مجاہدۂ نفس میں ہم ایک نئے باب کا آغاز کر سکیں ان خلاؤں کو پر کرتے ہوئے اور لغزشوں اور خطاؤں میں مبتلا کرنے والے اسباب سے بچتے ہوئے جس سے انسانی زندگی خالی نہیں ہے۔

عنقریب ہم تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر تینوں پہلوؤں سے بحث کریں گے:

پہلی بحث: حضرت ابراہیمؑ قرآن وحدیث کی روشنی میں

دوسری بحث: حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی سات ذمہ داریوں کی تکمیل

تیسری بحث: ہماری زندگیوں کی خامیاں اور حضرت ابراہیم کی سیرت میں اس کا حل

میرے دینی بھائیو!

اسی کے ساتھ شعور وآگہی میں اپنے شب وروز گزاریں اور مہینوں اور سالوں کو صرف کریں تاکہ یہ اوقات ہمارے لئے مستقل فرحت آگیں اور فرحت بخش رہے، میں چاہتا ہوں کہ جس طرح سے میں نے حلاوت ایمان کا ذائقہ محسوس کیا آپ بھی اس سے لطف اندوز ہوں اور ہم لوگوں کے اندر وہ یقین پیدا ہو جائے جس کی ہمیں اشد ضرورت ہے اور یہ یقین حضرت ابراہیمؑ کی سیرت میں غور وفکر کرنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، وہ ابراہیمؑ جن کا اللہ اور مومنوں کے نزدیک ایک منصب ومقام ہے کیونکہ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا اور ان خلاؤں کو پر کیا اور ان برائیوں کو ختم کیا جو انسانی زندگی کا جزء خاصہ بن چکی تھیں۔

واللہ ولی التوفیق

ڈاکٹر صلاح الدین

عرفہ وآنجیٰ

مملکت بحرین

۱۴۲۹ھ

پہلی بحث:

حضرت ابراہیم قرآن وسنت کی روشنی میں

گوشۂ اول: حضرت ابراہیمؑ قرآن کی روشنی میں

حضرت ابراہیم کا ذکر اعلیٰ پیمانہ پر قرآن کریم میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے نام سے ایک مکمل سورہ کا انتخاب کیا ہے، قرآن کریم میں ۶۹ مرتبہ آپ کا ذکر آیا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

- سورہ بقرہ میں پندرہ مرتبہ
- سورہ آل عمران میں سات مرتبہ
- سورہ نساء، انعام، ہود، انبیاء میں چار چار مرتبہ
- سورہ توبہ، مریم، حج اور صافات میں تین تین مرتبہ
- سورہ یوسف، نحل، عنکبوت اور ممتحنہ میں دو دو مرتبہ
- سورہ ابراہیم، حجر، شعراء، احزاب، ص، شوریٰ، زخرف، ذاریات، نجم، حدید اور اعلیٰ میں ایک ایک مرتبہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن کے تہہ تہہ میں پھیلا ہوا ہے خواہ وہ طوال مفصل ہو یا اوساط مفصل یا قصار مفصل ہو، اگر آپ قرآن پاک کے کسی بھی جزء کا سرسری جائزہ لیں تو آپ نور ربانی کے ایسے جزئیات دیکھیں گے جو آپ کے سامنے ایک ایسے شخص کا بے مثال نمونہ پیش کر رہا ہے جو واقعی اللہ کا دوست بننے کا مستحق ہے اور ہماری تہذیبی،

روحانی، اخلاقی اور اجتماعی زندگی میں اس کا اثر موجود ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق قرآن کریم کی آیتوں کو درج ذیل نکات میں تقسیم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱- امت کا نام حضرت ابراہیم کے ساتھ جڑنا، جیسا کہ اللہ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے: "**هو سماكم المسلمين من قبل وفي هذا ليكون الرسول شهيداً عليكم وتكونوا شهداء على الناس**" (الحج: ۷۸) (اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے گواہ ہوں اور تم سب لوگوں کے مقابلہ گواہ رہو)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی تجدید کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے ہمارے اس نام یعنی مسلمان کا انتخاب کیا تاکہ تمام مخلوق میں ہماری عزت وشرافت کا ایک الگ مقام ہو۔

۲- حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد ان کی شریعت کی پیروی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**ومن يرغب عن ملة إبراهم إلا من سفه نفسه**" (البقرہ ۱۳۰) (اور ابراہیم کے مذہب سے کون پھرے گا مگر وہی جس نے اپنے کو احمق بنالیا ہو)۔ اور دوسری جگہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "**قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا وما أنزل إلى إبراهيم وإسماعيل وإسحاق ويعقوب والأسباط وما أوتي موسى وعيسى وما أوتي النبيون من ربهم لا نفرق بين أحد منهم ونحن له مسلمون**" (البقرہ ۱۳۶) (کہہ دو کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتارا گیا اور جو موسیٰ وعیسیٰ کو دیا گیا اور اس پر جو دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا اور ہم ان میں کسی کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ ہی کے حکم کو ماننے والے ہیں)۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس معنی کا بار بار سورہ آل عمران، نساء، انعام،

یوسف نحل اورص میں آنا اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ان کی رسالت، کتاب اور ان کی شریعت پر ایمان لانا کس قدر ضروری ہے۔

۳- حضرت ابراہیم بحیثیت ابو الانبیاء، جیسا کہ اللہ تعالی کا سورہ یوسف میں ارشاد ہے:"واتبعت ملة إبراهيم وإسحاق ويعقوب ما كان لنا أن نشرك بالله من شيء" (یوسف: ۳۸) (میں نے تو مذہب اپنے بزرگوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا اختیار کیا ہے ہم کو کسی طرح زیب نہیں کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی شی کو بھی شریک قرار دیں)۔ اس طرح سے حضرت اسماعیل کے توسط سے انہیں ہمارے نبی محمد ﷺ کے باپ ہونے کا شرف حاصل ہے جیسا کہ وہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے باپ ہیں، ان میں سے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم چنندہ نبیوں اور رسولوں کے جد امجد ہیں۔

۴- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارکان حج کے ساتھ ربط و تعلق، اس ربط کا ذکر قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر ہوا ہے، ان میں سے اہم درج ذیل ہیں:

الف- انہوں نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی، جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ذکر کیا ہے:"وإذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت وإسماعيل ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم" (البقرة: ۱۲۷) (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ابراہیم واسماعیل علیہما السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ قبول کر لے یقیناً تو ہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے)۔

ب- ان دونوں نے طواف کرنے اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے خانہ کعبہ کی پاکیزگی کا اہتمام کیا، جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:"وعهدنا إلى إبراهيم وإسماعيل أن طهرا بيتي للطائفين والعاكفين والركع السجود" (البقرة: ۱۲۵) (اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کی طرف حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک صاف رکھو طواف کرنے والوں،

اعتکاف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے)۔

ج - حضرت ابراہیمؑ تن تنہا وہ شخص ہیں جنہیں لوگوں میں حج کے اعلان کی اجازت دی گئی، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''و أذن في الناس بالحج يأتوك رجالاً وعلى كل ضامر يأتين من كل فج عميق'' (الحج:۲۷) (اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی، جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی)۔

د- حضرت ابراہیمؑ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ کے امن وامان اور پھر رزق میں برکت کی دعا کی، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وإذ قال إبراهيم رب اجعل هذا بلداً آمناً وارزق أهله من الثمرات من آمن منهم بالله واليوم الآخر قال ومن كفر فأمتعه قليلاً ثم أضطره إلى عذاب النار وبئس المصير'' (البقرۃ:۱۲۶) (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنادے اور اس میں رہنے بسنے والوں کو روزی دے پھلوں سے یعنی ان رہنے والوں کو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو کفر کرے گا میں اسے بھی کچھ دن مزہ اٹھانے دوں گا پھر اسے کشاں کشاں عذاب جہنم تک پہنچادوں گا اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ اعلی ترین حکمت عملی ہے کہ انہوں نے آسودگی سے پہلے امن وامان کی دعا کی کیونکہ جب خوف وہراس ہو اور امن مفقود ہو تو آسودہ زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ہ- اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو مقام ابراہیم کو بطور تعظیم وتکریم سجدہ کی جگہ بنانے کا حکم دیا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى'' (البقرۃ:۱۲۵) (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو)۔

۵- اللہ تعالی نے غیر قوموں کے مقابلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مسلمان کہہ کر

مسلمانوں کو افضل قرار دیا جب کہ ہر ایک مذہب نے خواہ وہ یہود ہو یا نصاری اپنے لئے اس بات کا دعوی کیا کہ حضرت ابراہیم ان کے ملت کے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم کے عالم نبوت ورسالت کے میدان میں مقام ومرتبہ کی وجہ سے ہے اور متعدد آیات ان کو اسلام کے علاوہ کسی دوسری شریعت کی جانب منسوب کرنے کی منافی ہے۔

اس سلسلہ میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "ما كان إبراهيم يهوديا ولا نصرانيا ولكن كان حنيفاً مسلماً وما كان من المشركين إن أولى الناس بإبراهيم للذين اتبعوه وهذا النبي والذين آمنوا والله ولي المؤمنين" (آل عمران: ٦٧-٦٨) (ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصاری بلکہ راہ راست والے مسلم تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، بے شک ابراہیم سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لائے اور اللہ ایمان لانے والے کا حامی ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: "قل إنني هداني ربي إلى صراط مستقيم دينا قيما ملة إبراهيم حنيفا وما كان من المشركين" (الانعام: ۱۶۱) (آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ بتادیا ہے ایک دین مستحکم طریقہ ابراہیم راست روکا، اور مشرکوں میں سے نہ تھے)، اس کے علاوہ بہت سی آیتیں ہیں جو حضرت ابراہیم کی زندگی کے ساتوں تو ازن کو ظاہر کرتی ہیں خواہ ان کا تعلق اللہ، والد، بیوی، بچے، معاشرہ، سیاسی قوت اور ساری دنیا کے مستقبل کی اصلاح کے ساتھ مربوط ہو ان ساری باتوں کے لئے ہمیں ایک لمبی بحث اور خاص باب قائم کرنے کی ضرورت ہوگی۔

گوشۂ ثانی: حضرت ابراہیم علیہ السلام حدیث نبوی کی روشنی میں

ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درخشاں ذکر قرآن کریم میں موجود ہے تو دوسری طرف احادیث نبویہ میں ان کے مختلف پہلوؤں کا ذکر موجود ہے ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱- **حضرت محمد ﷺ کچھ چیزوں میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم کے مشابہ ہیں:**

جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں نے موسیٰ کو دیکھا کہ وہ کم گوشت والے اور سیدھے بالوں والے بزرگ تھے گویا وہ شنوءہ کے افراد میں سے ہیں اور میں نے حضرت عیسیٰ کو دیکھا وہ میانہ قد سرخ جھلکتی رنگ کے بزرگ ہیں گویا ابھی ابھی حمام سے نکلے ہیں اور میں حضرت ابراہیم کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں'' (صحیح البخاری: کتاب الانبیاء)، گویا کہ نبی اکرم ﷺ صورت وسیرت دونوں میں ان کے مشابہ تھے، کیونکہ آپ ﷺ ان کی مبارک نسل سے تھے اور انہیں کی شریعت اور طریقہ پر تھے، جس کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے، جس کو امام مسلمؒ نے واثلہ بن اسقع کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کی اولاد سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قبیلہ قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھے منتخب کیا'' (صحیح مسلم: کتاب الفضائل)۔

حضرت محمد ﷺ کا اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ ہونے کی اور زیادہ تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی دوست بنایا، جیسا کہ امام مسلم نے جندب

بن جنادہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں نے اللہ تعالی سے تم میں سے اپنے ایک دوست بنانے کی درخواست کی تو اللہ تعالی نے مجھے دوست بنالیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا اگر میں اپنی امت میں سے کسی اور کو اپنا دوست بناتا تو حضرت ابوبکرؓ کو بناتا'' (صحیح مسلم، کتاب المساجد)۔

۲-حضرت ابراہیمؑ، آپ کی بیوی حضرت سارہ اور ظالم بادشاہ:

جن سخت آزمائشوں کی تفصیل سنت نبویہ میں اور قرآن کریم کی آیات میں موجود ہے ان میں حضرت ابراہیمؑ کا اپنے زمانہ کے ظالم بادشاہ کا سامنا کرنا اور ان کے ساتھ اس کا سلوک ورویہ ہے، یہ باتیں دو امر سے متصف ہیں، ایک اللہ پر ایمان کامل اور دوسرا اس ظالم وجابر بادشاہ کے ساتھ برتاؤ کرنے میں کامل حکمت ہے۔

اس کی وضاحت بخاری شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابوہریرہ کی سند سے بیان کی گئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے سارہ کے ساتھ ہجرت کیا، ایک ایسی بستی میں تشریف لے گئے جس میں ایک بادشاہ یا ایک ظالم تھا، اس کو اطلاع دی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ ایک حسین ترین عورت کے ساتھ آئے ہیں، اس بادشاہ نے ابراہیم کو بلاکر پوچھا اے ابراہیم تمہارے ساتھ یہ کون ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے، پھر حضرت ابراہیم سارہ کے پاس واپس ہوئے اور فرمایا کہ وہاں جاکر مجھے جھٹلانا مت کیونکہ میں نے اس بادشاہ کو بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو، بخدا اس روئے زمین پر اس وقت میرے اور تیرے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے، پھر اس بادشاہ نے حضرت سارہ کو اپنے یہاں بلایا اور ان کی طرف بڑھا تو سارہ بھی اٹھیں، وضو کیا اور نماز پڑھنے لگیں اور یہ دعا کی، اے اللہ اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور پاکدامن رہی ہوں تو کافر کو مجھ پر قادر نہ بنا یہ دعا کرتے

ہی وہ کافر زمین پر گر پڑا، ناک سے آواز آنے لگی اور پاؤں زمین پر رگڑنے لگا یہ دیکھ کر حضرت سارہ نے کہا: اے اللہ اگر یہ مر جائے گا تو یہ کہا جائے گا کہ اسی نے مار ڈالا ہے۔ دوسری یا تیسری مرتبہ اسی طرح ہوا جو اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم نے میرے پاس شیطان کو بھیجا ہے اسے ابراہیم کے پاس لوٹا دو اور اسے حضرت ہاجرہ کو بھی دے دو، حضرت سارہ ابراہیم کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ کیا آپ کو پتہ چلا کہ اللہ نے کافر کو ذلیل کر دیا اور اس سے ایک خادمہ بھی دلوائی'' (صحیح بخاری، کتاب البیوع)۔

یہ قصہ ایمان اور بڑے بڑے معاملات میں حکمت عملی اختیار کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ جب حضرت ابراہیمؑ بادشاہ کے حاشیہ برداروں کے ذریعہ آزمائے گئے اس طور پر کہ ان لوگوں نے بادشاہ کو ایک حسین ترین عورت کے ساتھ حضرت ابراہیم کے آنے کی اطلاع دی تو بادشاہ نے اسے حضرت ابراہیمؑ سے جبراً لے لینے کا ارادہ کیا لہذا اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے یہ شرعی حیلہ اختیار کیا اور حضرت سارہ نے اللہ پر بھروسہ کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا، اللہ سے تضرع اور الحاح کے ساتھ یہ دعا کی: ''اللهم إن كنت آمنت بك وبرسولك وأحصنت فرجي إلا على زوجي فلا تسلط عليّ الكافر''، اللہ تعالی نے ان کی دعا قبول کر لی اور بادشاہ پر غشی طاری ہوگئی، لیکن جب حضرت سارہ کو اپنے اوپر اس کے قتل کا الزام ہونے کا خوف ہوا تو انہوں نے اللہ سے اس کے لئے عافیت کی دعا کی، لیکن جب وہ ہوش میں آیا تو پھر زیادتی کا ارادہ کیا پھر حضرت سارہ نے اسی طرح دعا کی پھر اس پر غشی طاری ہوگئی اور اس نے (بادشاہ) حضرت سارہ کو شیطان خیال کیا اور انہیں اجرت وغنیمت کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے حوالہ کر دیا، سب سے بڑی اجرت حضرت اسماعیلؑ کی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ تھیں، اس طرح پاکدامنی، حکمت، اور صبر جمیل کے ساتھ یکے بعد دیگرے آزمائشوں سے گذرے۔

۳- حضرت ابراہیم، آپ کا خاندان اور خانہ کعبہ:

حضرت ابراہیم اور آپ کے خاندان کا خانہ کعبہ سے رشتہ کے متعلق بکثرت ایسی احادیث موجود ہیں جن کا بیان نہایت مفید ہے اور قرآن میں حضرت ابراہیم سے متعلق مختصر تذکروں کی تفصیل ہے:

الف- ان میں سے وہ حدیث ہے جسے امام بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے عورتوں میں کمر بند حضرت اسماعیلؑ کی والدہ نے بنایا، انہوں نے کمر بند اس لئے لگایا کہ اپنے نشان قدم کو مٹا دیں تا کہ سارہ پیچھا نہ کرسکیں جب ابراہیم انہیں اور ان کے بچے اسماعیلؑ کو لے کر شام چلے گئے اس وقت بچہ دودھ پیتا تھا، انہیں لیجا کر بیت اللہ کے قریب زمزم کے اوپر ایک بڑے درخت کے پاس مسجد کے بالائی حصہ میں رکھا اس وقت مکہ میں کوئی بھی نہ تھا اور نہ وہاں پانی تھا ان دونوں کو وہاں رکھا اور ان کے پاس ایک تھیلی رکھی جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزہ جس میں پانی تھا، اس کے بعد حضرت ابراہیم واپس ہونے کے لئے مڑے تو اسماعیلؑ کی ماں بھی ان کے پیچھے چلیں اور کہا: اے ابراہیم ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو جہاں نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی چیز، انہوں نے یہ جملہ کئی بار کہا لیکن حضرت ابراہیم نے توجہ نہیں دی، تو پوچھا کہ کیا اللہ کا حکم ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا: ہاں، اس پر حضرت ہاجرہؓ نے کہا: اگر ایسا ہے تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، یہ کہہ کر واپس آگئیں اور حضرت ابراہیم چلے گئے جب اس گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں سے وہ ان کو دیکھ نہ پاتے تو بیت اللہ کی جانب رخ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد ایسی وادی میں بسائی ہے جس میں کاشت نہیں ہوتی، تیرے عزت والے گھر کے پاس تا کہ وہ تیرا شکر کریں۔

حضرت اسماعیل کی والدہ اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں اور وہ پانی پیتی رہیں، یہاں تک کہ جب مشک میں رکھا ہوا پانی ختم ہوگیا، انہیں اور ان کے بچے کو پیاس لگی اور وہ تڑپنے لگا یا راوی کا قول ہے کہ ایڑیاں رگڑنے لگا ان کی والدہ صفا پر چڑھیں اور پھر وادی پر نظر ڈالیں یہ دیکھنے کے لئے کہ کچھ ہے لیکن کچھ نظر نہ آیا تو صفا پہاڑ سے اتر کر آگے بڑھیں جب وادی میں پہنچیں تو اپنے کرتا کا دامن اٹھا کر اس طرح دوڑ پڑیں جیسے سخت مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے اور وادی کو پار کر کے مروہ پر آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر نظر دوڑاتی رہیں مگر کچھ نظر نہ آیا اس طرح حضرت ہاجرہ نے سات چکر لگایا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسی وجہ سے **لوگ** صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے لگے، ساتویں بار جب مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنا تو اپنے آپ سے کہا چپ رہو، اس کے بعد سننے کی کوشش کی تو پھر دوبارہ وہی آواز آئی تو انہوں نے کہا کہ تو نے تو مجھے آواز سنائی کاش تیرے پاس مدد کا کوئی سامان ہوتا، اچانک انہوں نے زمزم کے پاس فرشتہ کو دیکھا جس نے اپنی ایڑی یا بازو سے زمین کریدا یہاں تک کہ پانی نکل آیا تو حضرت ہاجرہؓ اسے گھیرنے لگیں اور اپنے ہاتھوں سے رکنے کا اشارہ کرنے لگیں اور چلو میں پانی لے کر مشک میں بھرنے لگیں اس کے بعد پانی ابلتا رہا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ اسماعیل کی والدہ پر رحم فرمائے اگر زمزم کو چھوڑ دیتیں یا یہ فرمایا پانی چلو میں نہیں لیتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا، راوی کا بیان ہے کہ حضرت ہاجرہؓ نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا تو فرشتہ نے ان سے کہا کہ ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو یہاں بیت اللہ ہے جسے یہ بچہ اور اس کے والد تعمیر کریں گے اور یقین رکھو کہ اللہ تعالٰی اس کے باشندہ کو ضائع نہیں کرے گا اور خانہ کعبہ ٹیلہ کے مثل زمین سے اونچا تھا، سیلاب دائیں بائیں سے ہو کر گزر جاتا، حضرت ہاجرہ اسی طرح رہیں یہاں تک کہ قبیلہ جرہم کے کچھ **لوگ**

یا کچھ گھرانے کدا کے راستہ سے آئے اور مکہ کے نشیبی علاقہ میں اترے توان لوگوں نے ایک چڑیا کومنڈلاتے دیکھ کر کہا کہ یہ پرندہ پانی پر منڈلا رہا ہے حالانکہ اس وادی سے ہم بار ہا گزرے ہیں لیکن اس میں پانی نہیں ہے، ان لوگوں نے ایک دو آدمی کو تلاش کے لئے بھیجا وہ لوگ واپس آکر اپنے ساتھیوں کو پانی کی موجودگی کی خبر دی تو یہ لوگ پانی کے چشمہ کی طرف بڑھے۔(راوی کا بیان ہے کہ حضرت اسماعیل کی والدہ پانی کے پاس تھیں)، ان لوگوں نے ان سے وہاں قیام پذیر ہونے کی اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت دی لیکن ساتھ میں یہ شرط لگادی کہ تمہیں پانی پر کوئی مالکانہ حق نہ ہوگا ان لوگوں نے اس شرط کو منظور کرلیا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسماعیل کی والدہ نے اسے غنیمت سمجھا اور وہ چاہتی بھی تھیں کہ کچھ لوگ یہاں رہیں جن سے اُنس (الفت) حاصل ہو'، ان لوگوں نے اپنے اہل وعیال کو بلالیا اور بس گئے اور ان کے بہت سارے گھر آباد ہوگئے، بچہ بھی جوان ہوگیا اور ان سے ہی عربی سیکھی، جوان ہونے پر یہ بچہ انہیں بہت پسند آیا، بالغ ہونے کے بعد ان لوگوں نے اپنے میں سے ایک عورت سے شادی کردی، حضرت اسماعیل کی والدہ کا انتقال ہوگیا، اسماعیل کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم اپنے لڑکے کو دیکھنے آئے تو انہیں گھر میں موجود نہ پاکر ان کی اہلیہ سے ان کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتایا کہ ہمارے لئے کچھ تلاش کرنے گئے ہیں پھر حضرت ابراہیم نے ان کے گزر بسر کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم بری حالت، تنگ دستی اور سختی میں ہیں، اس نے ان سے شکایت کی، پھر حضرت ابراہیم نے فرمایا جب تمہارا شوہر آئے تو میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہہ دینا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دے، جب حضرت اسماعیل واپس آئے تو کچھ بوئے آشنائی محسوس کرکے اپنی اہلیہ سے پوچھا کیا کوئی آیا تھا، اس نے کہا ایسے ایسے حلیہ کا ایک بوڑھا شخص آیا تھا اس نے ہمارے بارے میں پوچھا تو میں نے انہیں بتادیا، اور انہوں نے ہم لوگوں کی زندگی کے بارے میں پوچھا تو میں نے انہیں

بتادیا کہ ہم تنگی وسختی میں ہیں، پھر حضرت اسماعیل نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ انہوں نے کچھ وصیت بھی کی؟ اس نے بتایا کہ مجھے یہ حکم دیا کہ تمھیں سلام کہوں اور ساتھ میں یہ بھی وصیت کی کہ تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دو تو حضرت اسماعیل نے فرمایا کہ وہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں تم سے جدائی اختیار کرلوں، لہٰذا تم اپنے اہل کے پاس چلی جاؤ اور حضرت اسماعیل نے اسے طلاق دے کر قبیلہ بنی جرہم میں ہی دوسری شادی کرلی۔

پھر اللہ کی مرضی کے مطابق کچھ دنوں کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اسماعیل کے گھر تشریف لائے اور اسماعیل کو گھر میں نہ پاکر ان کی اہلیہ کے پاس گئے اور اس سے اسماعیل کے بارے میں دریافت کیا تو اس (اہلیہ) نے کہا کہ وہ ہمارے کھانے کے لئے کچھ تلاش کرنے گئے ہیں، پھر پوچھا تم لوگ کس حال میں ہو اور تمہاری زندگی کیسے بسر ہورہی ہے، اس نے کہا ہم اچھی حالت میں ہیں اور خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کررہے ہیں اور اللہ کی حمد وثنا کی، حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا: تمہاری غذا کیا ہے؟ اس نے کہا: گوشت، پھر پوچھا: پیتے کیا ہو؟ پانی حضرت ابراہیم نے کہا: اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت دے۔

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس وقت ان کے لئے دانہ نہ تھا اگر ہوتا تو دانہ میں بھی برکت کی دعا کرتے اور فرمایا مکہ کے علاوہ کہیں اور صرف گوشت اور پانی پر گذارا مزاج کے موافق نہیں ہوتا''۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: جب تمہارے شوہر آئیں تو ان سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ باقی رکھیں۔ جب حضرت اسماعیل آئے انہوں نے دریافت کیا کہ کوئی آیا تھا تو ان کی اہلیہ نے جواب دیا ہاں، ایک شاندار بزرگ تشریف لائے تھے اس نے ان کی خوبیاں بیان کیں اور یہ بھی کہا کہ انہوں نے آپ کو پوچھا تھا تو میں نے ان کو بتادیا تو پھر ہمارے گزربسر کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا ہم اچھی حالت میں ہیں، حضرت اسماعیل نے پوچھا کیا چلتے چلتے وہ کچھ فرما گئے؟ تو ان کی اہلیہ نے کہا آپ کو سلام کہہ گئے ہیں اور یہ بھی حکم دے گئے

کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ باقی رکھیں تو حضرت اسماعیل نے فرمایا: یہ میرے والد تھے اور تو میرے دروازہ کی چوکھٹ ہے مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں ہمیشہ ساتھ رکھوں۔

اس کے بعد مشیت الٰہی کے مطابق کچھ وقفہ کے بعد پھر تشریف لائے اس وقت حضرت اسماعیل زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے پاس تیر درست کر رہے تھے، جب ان کو دیکھا تو وہی کیا جو باپ بیٹے کے ساتھ اور بیٹا باپ کے ساتھ کرتا ہے پھر حضرت ابراہیم نے فرمایا: اے اسماعیل! اللہ نے مجھے ایک حکم دیا تو اسماعیل نے کہا: حکم خداوندی کی تعمیل کیجئے، پھر حضرت ابراہیم نے فرمایا: میری مدد کروگے؟ عرض کیا ساتھ دوں گا، فرمایا: اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے اور ایک ایسے ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا جو اردگرد سے بلند تھا وہیں خانہ کعبہ کی کرسی اس طرح بلند کی کہ حضرت اسماعیل پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم تعمیر کرتے جب عمارت اونچی ہوگئی تو حضرت اسماعیل نے ایک بڑا پتھر لاکر رکھدیا جس پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہوکر تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیلؑ پتھر دیتے تھے اور یہ دعا بھی کرتے جاتے تھے: ''ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم'' (اے ہمارے رب! ہماری طرف سے قبول فرمالے بیشک تو سننے والا اور علم والا ہے)۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ دونوں بیت اللہ کے اردگرد گھوم گھوم کر بناتے رہے اور مذکورہ دعا پڑھتے رہے (صحیح بخاری)۔

یقیناً یہ حدیث جامع ہے اس کے اندر درج ذیل نصیحتیں ہیں:

الف-حضرت ہاجرۃ وہ پہلی عورت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے کمر بند اختیار کیا جب وہ حاملہ ہوئیں تاکہ حضرت سارہ کی غیرت جوش نہ مارے۔

ب-جب حضرت سارہ کی غیرت بڑھی تو اپنے رب کے حکم کی بجاآوری اور اپنے شوہر اور اپنی راحت وآرام کے لئے دوسرے شہر منتقل ہونے پر بخوشی راضی ہوگئیں۔

ج - جب انہوں نے بحیثیت بیوی حضرت ابراہیم سے سوال کیا کہ آپ مجھے ایک ایسی جگہ میں کیوں چھوڑ جا رہے ہیں جہاں نہ کوئی انسان ہے، نہ کاشت کاری اور نہ کوئی چیز، لیکن حضرت ابراہیم نے جواب نہیں دیا تو حضرت ہاجرہ نے دوسری طرح سوال کو دہرایا کہ" کیا اللہ نے اس کا حکم دیا ہے؟'' جب حضرت ابراہیم نے کہا: ہاں، تو انہوں نے اس اللہ کے حکم کو پختہ یقین کے ساتھ قبول کرلیا اور فرمایا تب تو یقیناً اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

د- پانی اور کھجور ختم ہونے کے بعد حضرت ہاجرہ کا پوری ہمت کے ساتھ صفا ومروہ کا سعی کرنا بعد کے آنے والی پوری امت کے لئے اعلیٰ مثال ہے کہ اسباب کو چھوڑ کر توکل نہ کرے، بلکہ اچھے سے اچھا سبب اختیار کر کے اللہ پر بھروسہ رکھے۔

ہ- اسباب اختیار کرنے کے ساتھ اللہ پر بھروسہ رکھنا ایک ایسے تربیت یافتہ معلم کی مثال ہے جسے بے حساب رزق میں اللہ کی عنایت حاصل ہو، جیسا کہ ان کے لڑکے حضرت اسماعیل کی ایڑی سے آب زمزم کا چشمہ جاری ہوا۔

و- حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کے لئے پانی صرف ضروری غذا ہی ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کے ذریعہ سے انسانوں کے ساتھ الفت ومحبت بھی ملی جب پرندہ پانی پینے کے لئے آیا اور اس نے قبیلہ بنو جرہم کی ایسے وقت میں پانی کے چشمہ کی رہنمائی کی جب وہ لوگ اس کی تلاش میں تھے، لہذا وہ لوگ ان کے ساتھ رہنے لگے اور حضرت اسماعیل اس قبیلہ والوں کے ساتھ پروان چڑھتے رہے یہاں تک کہ اسی قبیلہ میں ان کی شادی ہوگئی۔

ز- حضرت ابراہیم اپنے خاندان کی ہمیشہ دیکھ بھال کرتے رہتے تھے۔

ح- حضرت ابراہیم ہمیشہ اپنے لڑکے (اسماعیل) سے مشورہ لیتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا تو آپ نے بطور حکم اسے پیش نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا: کیا تم اس حکم میں میری مدد کروگے؟ حضرت اسماعیل نے اثبات میں جواب دیا پھر دونوں نے مل کر خانہ

کعبہ کی کرسی بلند کی، حضرت ابراہیم تعمیر کرتے اور حضرت اسماعیل پتھر دیتے تھے اور دونوں یہ دعا کررہے تھے: "ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم" جب تعمیر مکمل ہوگئی تو دونوں نے اس دعا کو پڑھتے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔

ط- حضرت ابراہیم نے دوبار زیارت کی، پہلی زیارت میں انہوں نے حضرت اسماعیل کی بیوی کو شکایت کرتے ہوئے پایا جبکہ وہ انہیں نہیں پہچان سکی تو انہوں نے حضرت اسماعیل کو اسے طلاق دینے کا حکم دیا، جب کہ دوسری زیارت میں حضرت اسماعیل کی دوسری بیوی کو قانع پایا تو اسے اپنے پاس رکھنے اور تعظیم کرنے کا حکم دیا، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک بیٹے کا باپ کے لئے یہی ایک مکمل اطاعت فرمانبرداری ہے، لہٰذا باپ بیٹے کے درمیان رشتہ اس طرح قائم ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کی دیکھ ریکھ، عنایت وتوجہ اور نصیحت وخیرخواہی کرتا ہے جبکہ بیٹا باپ کی مکمل اطاعت فرمانبرداری اور حسن سلوک کرتا ہے۔

۴- حضرت ابراہیم، مکہ کی حرمت اور اس کے لئے برکت کی دعا:

حضرت ابراہیم نے مکہ کی حرمت وبرکت کی دعا کی، جیسا کہ امام مسلم نے عبداللہ بن زید بن عاصم کے حوالہ سے دریافت کیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: "حضرت ابراہیم نے مکہ کو مقدس قرار دیا اور اس کے باشندوں کے لئے دعا کی، چنانچہ میں نے مدینہ منورہ کی اسی طرح تعظیم کی جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کی کی، میں نے اس کے باشندوں کی صاع اور مد (ناپنے کا آلہ) کے لئے اسی طرح دعا کی جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ والوں کے لئے کی" (صحیح مسلم، کتاب الحج)۔

اور امام مسلم نے ایک دوسری جگہ حضرت ابوہریرہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ ابوہریرہ کا قول ہے کہ جب لوگوں نے پہلے پھل کو درخت پر دیکھا تو لوگ اس پھل کو لے کر آپ ﷺ کے

پاس حاضر ہوئے، رسول ﷺ نے اسے لے کر یہ دعا کی: "اللھم بارک لنا فی ثمرنا وبارک لنا فی مدینتنا، وبارک لنا فی صاعنا، وبارک لنا فی مدنا، اللھم إن إبراھیم عبدک وخلیلک ونبیک، وإنی عبدک ونبیک، وإنه دعاک لمکة، وإنی أدعوک للمدینة، بمثل ما دعاک لمکة، ومثله معه" (صحیح مسلم: کتاب الحج) (اے اللہ! ہمارے پھلوں، ہمارے شہر، صاع اور ہمارے مد میں خیر وبرکت عطا فرما، اے اللہ یقیناً ابراہیم تیرے بندے، تیرے دوست اور تیرے نبی ہیں اور میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں، انہوں نے مکہ کے لئے دعا کی اور میں مدینہ کے لئے وہی دعا کر رہا ہوں جو انہوں نے مکہ کے لئے کی اور مزید اسی کے مثل کچھ اور)۔

مکہ مکرمہ جو کہ ام القری اور رسالت اسلام کا گہوارہ ہے، اللہ تبارک وتعالی کی رحمت وبرکت یہ ہے کہ اس نے اس عظیم رسالت کے لئے مکہ کو تیار کیا، حضرت ابراہیم کی اس دعا کی وجہ سے کہ اس شہر کو ایسا مقدس بنا دے کہ اس میں قتل وقتال نہ ہو اور ہر پناہ لینے والا انسان وحیوان، چرند وپرند حتی کہ شجر بھی محفوظ ومامون رہے، حضرت ابراہیم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ رزق میں وسعت وبرکت کی بھی دعا کی جس کی وجہ سے مکہ قیامت تک کے لئے امن وامان، خیر وبرکت اور وسعت وثروت کی سرزمین بن گیا، جب کہ وہ ان کا وطن اصلی نہیں تھا، کیونکہ آپ عراق میں پیدا ہوئے پھر مکہ تشریف لائے اپنی بیوی بچے کو وہاں چھوڑ دیا، خانہ کعبہ کی تعمیر کی، اللہ کے حکم سے آپ کی نشانیاں آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک باقی رہنے والی ہیں۔

۵- خانہ کعبہ کی تعمیر میں حضرت ابراہیم کی طرز میں کمی:

امام مسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتی کہ تیری قوم کے لوگوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی، ان لوگوں نے حضرت ابراہیم

کے طرز بنیاد میں کمی کردی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ اسے دوبارہ حضرت ابراہیم کی طرز پر کیوں نہیں تعمیر کروا دیتے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تیری قوم کے لوگوں کے اندر کفر میں جدت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور اس کام کو انجام دیتا (صحیح مسلم)۔

حضرت ابراہیم نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اس میں حجر اسود (یعنی وہ پتھر جہاں سے طواف کیا جاتا ہے) کو نصب کیا لیکن قبیلہ قریش نے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور ان کے پاس کافی مقدار میں مال و دولت نہ ہونے کی وجہ سے خانہ کعبہ کی تعمیر چھوٹی کردی اور حجر اسماعیل کو چھوڑ دیا، جب فتح مکہ ہوا تو آپ ﷺ اسے حضرت ابراہیم کے طرز پر بنانے کی خواہش کی اور حجر اسماعیل کو اس میں شامل کرنا چاہا، لیکن آپ ﷺ اہل مکہ اور اس کے گردوپیش کے نومسلموں کی رعایت اور کچھ ضروری چیزوں کی وجہ سے اسے موخر کردیا جو اہم تھیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ کی قوم نے بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی، لیکن بنوامیہ کے عہد میں حجاز کے علاقہ میں عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی تو انہوں نے خانہ کعبہ کو منہدم کرادیا اور حضرت ابراہیم کے طرز اور آپ کی خواہش کے مطابق بنوایا، اور جب حجاج کا اس پر قبضہ ہوا تو اس نے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے اشارہ پر انہیں قتل کرادیا اور کہا ہم ابن زبیر کی گندگیوں کو دور کریں گے اور خانہ کعبہ کو نبی کریم ﷺ کی چھوڑی ہوئی حالت پر تعمیر کریں گے، لیکن جب بنوامیہ پر بنوعباس کا غلبہ ہوا تو جعفر بن منصور نے بنوامیہ کی بنائی ہوئی عمارت کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم کی طرز پر بنا کر حجر اسماعیل کو شامل کرنا چاہا، کیونکہ وہ رسول اکرم ﷺ کی خواہش کو پوری کرنے اور عبداللہ بن زبیر کے طریقہ عمارت کو از سر نو بنانا چاہتے تھے۔

اس وقت اللہ تعالی نے امام دارالہجرۃ مالک بن انسؒ کے دل میں یہ بات ڈالی جس کو انہوں نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے امیر المومنین! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ خانہ کعبہ کو اپنے بعد آنے والے بادشاہوں کے لئے ملعب (کھلونا) نہ بنادیں کہ ان میں

سے جو چاہے اپنے طریقہ پر بنائے کیونکہ ایسا کرنے سے لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت ختم ہو جائے گی، لہذا اس وقت سے خانہ کعبہ اللہ کے فضل وکرم اور امام مالکؒ کے اس تاریخی جملہ (یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ سیاسی اختلافات اور خواہشوں کی بنیاد پر خانہ کعبہ میں ردوبدل ہوتا رہے) کی وجہ سے آج تک محفوظ ہے۔

۶-حضرت ابراہیم کے ساتھ ارکان حج کا رشتہ:

رکن حج ایک اہم فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے لئے ہر سال مسلمان جمع ہوتے ہیں، اس کا بھی حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے خاندان کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے، کیونکہ جب ہم نے اس گہرے تعلق کی کچھ تصویر قرآن کریم کی روشنی میں ذکر کردیا تو اب ہم ان احادیث نبویہ کو بھی بیان کرنا چاہتے ہیں جن سے مزید اس کی تاکید ہو جائے:

الف- جیسا کہ امام نسائی یزید بن شیبان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا، ہم لوگ مقام عرفہ میں وقوف کی جگہ سے دور وقوف کرتے تھے، ابن ربعؓ انصاریؓ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ میں تمہارے پاس رسول کا قاصد ہوں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "تم لوگ اپنے مشاعر پر ہو جاؤ کیونکہ تم اپنے باپ حضرت ابراہیم کے طریقہ پر ہو"۔

ب-سنت قربانی حضرت ابراہیم کے خاندان کی اللہ کے مشکل ترین حکم کی کامل فرمانبرداری کی مثال اور یادگار ہے، اللہ نے حضرت اسماعیلؑ کو عظیم قربانی کے عوض چھڑا لیا اور حضرت ابراہیمؑ اور بیوی ہاجرہ کو خوشی عطا کی اور یہ خوشی مستقل ان لوگوں کے لئے برقرار رہے گی جو قربانی پیش کرتے ہیں اور اسے اپنے، اپنی اولاد، دوست واحباب اور فقراء میں تقسیم کرتے ہیں لہذا یہ سنت قربانی دوہرے اجر وثواب اور خوشی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اس دوہرے اجر وثواب کی مثال سلطان الحاج کے اس قصہ سے ملتی ہے جو مغربی

افریقہ کے قبیلہ ''بنین'' کا شیخ تھا، جب پورے شہر میں سخت قحط سالی پڑی اور مسلم معاون مجلس کے نمائندے گئے، اور مصیبت زدہ مسلمانوں کو قربانی کا گوشت دینے لگے تو مسلمانوں کے پڑوسی قبیلہ کا شیخ ''سلطان'' آیا، حالانکہ اس وقت وہ اور اس کے قبیلہ والے بت پرست تھے۔اس نے اپنے قبیلہ کے لئے کچھ کھانا طلب کیا، اس وقت غیر جانکار ایک نمائندہ نے کہا: مسلمانوں کے صدقہ میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے جب تک تم غیر مسلم ہو کیونکہ یہ قربانی کا گوشت ہے، لیکن ایک دوسرے جانکار نمائندہ نے کہا: نہیں، بلکہ ان کو دینا ہمارے لئے ضروری ہے، کیونکہ احادیث اور آیات میں عموم ہے اور عموم کا مطلب ہے کہ تمام فقراء کو دینا خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب یا کسی بھی علاقہ سے ہو اور انہوں نے کچھ آیات کی تلاوت کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ''ان کو کھانا اور گوشت دو''، کھانے کے بعد اس شخص نے اپنے قبیلہ سے اس کا ذکر کیا اور شیخ قبیلہ مشرف بہ اسلام ہوا اور اس کے ساتھ تمام قبیلہ والے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ان کی تعداد چار سو تھی، اس کے بعد پھر سلطان حج بیت اللہ کے لئے آیا اور وہیں ہماری ملاقات ہوئی۔

میرے بھائیو اور بہنوں! کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کو اکیسویں صدی میں بھی اجر وثواب مل رہا ہے جب ان بت پرستوں نے اس سنت قربانی کی وجہ سے اسلام قبول کیا جس کی ابتدا حضرت ابراہیم واسماعیل کی اللہ کی کامل اطاعت فرمانبرداری سے ہوئی؟

۷- حضرت ابراہیم کا رکن نماز کے ساتھ تعلق:

اگر حج ایک بڑا فرض ہے، جس کے لئے مسلمان ہر سال جمع ہوتے ہیں تو نماز بھی ایک ایسا اہم فریضہ ہے جسے مسلمان ہر روز بار بار ادا کرتے ہیں، رکن نماز حضرت ابراہیمؑ کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ان میں سے اہم پہلو درج ذیل ہیں:

الف- صحت نماز کے لئے قبلہ کی جانب رخ کرنا نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط

ہے، یہ شرط نمازیوں کے دل کو حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کے ساتھ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں جوڑتی ہے، کیونکہ ان دونوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اسے پاک کر کے طواف کرنے والوں اور رکوع، سجود و معتکفین کے لئے تیار کیا۔

ب- نبی کریم ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب بھی آپ بیت اللہ جاتے تو مقام ابراہیم کے پیچھے جاتے اور اس آیت کی تلاوت کرتے: "**واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى**"، یعنی مقام ابراہیم کو سجدہ کی جگہ بنالو، اور آپ ﷺ دو رکعت نماز ادا کرتے پہلی رکعت میں "**قل يا أيها الكافرون**" اور دوسری رکعت میں "**قل هو الله أحد**" کی تلاوت کرتے تھے۔

ج- نبی کریم ﷺ اپنے وضو میں حضرت ابراہیم کا طریقہ اختیار کرتے تھے اور ہم آپ ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ وضو اختیار کرتے ہیں، جسے ابن ماجہ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے ایک ایک بار اعضائے وضو کو دھویا اور فرمایا کہ یہ وہ وضو ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے، پھر دو دو بار دھویا اور فرمایا کہ یہ وضو ثواب ہے پھر تین تین بار اعضائے وضو کو دھویا اور فرمایا کہ یہ کامل وضو ہے اور یہ میرا اور حضرت ابراہیم کے وضو کا طریقہ ہے جو شخص اس طرح وضو کرے اور وضو سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھے: "**أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده و رسوله**"، تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس سے چاہے داخل ہو جائے (سنن ابن ماجہ)۔

د- حضرت ابراہیم پر درود وسلام کی طرح آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، جسے درود ابراہیمی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

امام نووی کا قول ہے کہ امام شافعی کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے اگر کسی نے اسے ترک کر دیا تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

۸- حدیث نبوی کی روشنی میں حضرت ابراہیمؑ کی بے مثال خصوصیات:

حضرت ابراہیمؑ سے متعلق بہت ساری احادیث نبویہ کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ عمدہ خصوصیات اور نشانیوں کے اعتبار سے یکتائے زمانہ ہیں، آپ کی خصوصیات سے متعلق چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱- امام مسلم حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا ''اے خشکی کے سب سے بھلے انسان'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ خصوصیت ابراہیمؑ کی ہے'' (صحیح مسلم)۔

۲- امام بخاری ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس کا بیان ہے، آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم لوگ میدان محشر میں اللہ کے نزدیک ننگے پاؤں، ننگے بدن، اور چمکتی ہوئی پیشانی کے ساتھ جمع کئے جاؤ گے، پھر یہ آیت تلاوت کی: ''کما بدأنا أول خلق نعیده وعداً علینا إنا کنا فاعلین'' (الانبیاء: ۱۰۴) (جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے وقت ابتداء کی تھی اسی طرح اسے دوبارہ کردیں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور اسے کر کے رہیں گے)۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سن لو! قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا اور خبردار رہو کہ میری امت میں سے کچھ لوگوں کو بائیں جانب سے لایا جائے گا تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں، کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کتنی نئی چیزوں کو ایجاد کیا تو میں ایک نیک بندہ کی طرح کہوں گا: ''میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان کے درمیان رہا پھر جب تم نے مجھے دنیا سے اٹھالیا جب سے تو ہی ان پر نگراں ہے اور آپ ہر چیز پر قادر ہیں، تو کہا جائے گا کہ یہ لوگ آپ کی وفات کے بعد سے برابر مرتد رہے (صحیح بخاری)۔

۳- امام بخاری نے اپنی سند سے سمرہ بن جندب سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے شب معراج کے واقعہ کا ذکر کیا اور فرمایا: روضہ میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم ہیں اور جو لڑکے ان کے اردگرد ہیں وہ ہر وہ نومولود لڑکے ہیں جن کی وفات فطرت اسلام پر ہوئی، راوی کا بیان ہے بعض مسلمانوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں مشرکین کی اولاد بھی (صحیح بخاری)۔

۴- ابن ماجہ نے اپنی سند سے سائبہ بن مغیرہ سے روایت کیا ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور انہوں نے ان کے گھر ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا تو انہوں نے پوچھا: اے ام المومنین! آپ اس نیزہ سے کیا کرتی ہیں، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ ہم اس سے گرگٹوں کو مارتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تو روئے زمین کے ہر ایک جانور نے آگ بجھانے کی کوشش کی سوائے گرگٹ کے، وہ آگ میں اور پھونک ڈال رہی تھی، چنانچہ آپ نے ہمیں اسے مارنے کا حکم دیا۔

۵- امام مالکؒ اپنی سند سے سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے مہمان نوازی کی، سب سے پہلے ختنہ کرایا، سب سے پہلے مونچھ کتروایا اور بڑھاپے کی علامت دیکھ کر سب سے پہلے یہ کہا: اے میرے رب! یہ کیا ہے؟ اللہ پاک نے فرمایا: اے ابراہیم! یہ وقار کی علامت ہے، تو آپ نے کہا اے میرے رب وقار میں اضافہ فرما۔

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، مگر مراسیل سعید بن مسیّب میں سے ہے اور سعید بن مسیّب اور محدثین کا طریقہ اس مرحلہ میں یہ ہے کہ جب یہ لوگ کسی ایک صحابی سے حدیث روایت کرتے ہیں تو اس کی نسبت انہیں کی جانب کرتے ہیں اور اگرچہ حدیث ایک ایسی جماعت سے روایت کی گئی ہو جن لوگوں نے ارسال کیا ہو، اسی وجہ سے حسن بصریؒ اور سعید بن

مسیّب کی مراسیل ان کے زمانہ سند سے زیادہ قوی شمار کی جاتی ہیں، متن حدیث ایسی ہوتی ہے جس میں اجتہاد اور عقل کی گنجائش نہیں ہوتی ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا متن نبی کریم ﷺ کا قول ہے، ابن مسیّب کا اجتہاد نہیں ہے۔

یہ مذکورہ احادیث حضرت ابراہیم کے مقام ومرتبہ، مکارم اخلاق اور بلند درجات کو دوبالا کرتی ہیں، ان احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ آپ کو "خیـــر البـریـۃ" کا لقب دیا گیا، قیامت کے دن سب سے پہلے آپ ہی کو لباس پہنایا جائے گا، آپ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے نبی اور ان بچوں کو اپنے اردگرد دیکھا جو بچپن ہی میں وفات پا گئے اور تمام جانور آگ بجھانے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ گرگٹ کے علاوہ کسی نے آپ کو تکلیف نہیں دی، اسی لئے آپ ﷺ نے اسے مارنے پر تاکید فرمائی جہاں کہیں بھی ملے اور مزید یہ کہ آپ ہی نے سب سے پہلے مہمان کی ضیافت کی، سب سے پہلے ختنہ کرایا، سب سے پہلے مونچھ کتروایا اور سب سے پہلے بڑھاپے کا اثر دیکھ کر خوش ہوئے۔

سنت نبویہ میں ان کے مذکور بے مثال کارنامے کو جب قرآن کریم میں مذکور بلند مقام ومرتبہ سے ملایا جاتا ہے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ خلیل اللہ ہیں جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: "إبراهيم الذى وفى" اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: "لحليم أواه منيب"، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ انبیاء اور رسولوں کے سامنے ایسی بے مثال خصوصیات کے حامل ہیں جس میں دوسرے انبیاء اور رسول شریک نہیں ہیں اور ہر دن بار بار ہماری یہ دعا ہوتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل واصحاب پر اللہ کا درود وسلام ہو، جیسا کہ حضرت ابراہیم اور ان کے آل اولاد پر ہوا۔

دوسری بحث:

حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے سات لازمی پہلو کی تکمیل

جب قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی نصوص کے ذریعہ ہر زمانہ میں اللہ اور مومنوں کے نزدیک حضرت ابراہیمؑ کے مقام ومرتبہ کی بلندی ثابت ہوتی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں ان کے قابل تعریف پہلوؤں کو کچھ ایسے اضافہ کے ساتھ اجاگر کروں جسے قرآن کریم اور سنت نبویہ نے پہلے ہی بیان کردیا ہے اور وہ ان کے سات کامل اور متوازن پہلو ہیں۔

وہ سات پہلو درج ذیل ہیں:

١-حضرت ابراہیمؑ کا اللہ تعالی کے ساتھ گہرا ربط وتعلق

٢-والدمحترم کی فرمانبرداری اگرچہ وہ کافر تھے

٣-آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت

٤-اپنی اولاد کی اچھی پرورش

٥-اپنے معاشرہ اورقوم کی خیرخواہی اور اکرام وتعظیم

٦-سیاسی طاقتوں کے ساتھ مثبت پہلو

٧-مستقبل کی اصلاح کے لئے منصوبہ بندی

یہ ان کے سات مختصر پہلو ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہیں:

١-آپ کا اللہ رب العزت کے ساتھ گہرا تعلق:

قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کو اپنے بندہ، رسول، نبی اور

اپنے خلیل حضرت ابراہیم سے بے پناہ محبت تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: "إن إبراهيم كان أمة قانتاً لله حنيفاولم يک من المشركين. شاكراً لأنعمه اجتباه وهداه إلى صراط مستقيم" (النحل:۱۲۰)(بے شک ابراہیم بڑے مقتدا، اللہ کے فرمانبردار اور اس کی طرف یک رخ رہنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں نہ تھے، اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے اللہ نے ان کو چن لیا تھا اور سیدھی راہ پر ڈالدیا تھا)، اور سورہ ہود میں آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے: "لحليم أواه منيب" (ہود:۷۵)(کہ بے شک ابراہیم بڑے حلیم بڑے دردمند اور بڑے نرم دل تھے)، سورہ مریم میں ارشاد ربانی ہے: "صديقاً نبياً" (مریم:۴۱) (وہ سچے نبی تھے)، آپ کو کامل رشد وہدایت سے نوازا گیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا سورہ انبیاء میں ارشاد ہے: "ولقد آتينا إبراهيم رشده من قبل وكنا به عالمين" (الانبیاء:۵۱)(اور یقیناً ہم اس سے بھی پہلے ابراہیم کو فہم سلیم عطا کر چکے تھے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے)، سورہ نجم میں لفظ "وفــى" سے آپ کی تعریف کی گئی ہے اور سورہ صافات میں آپ پر دائمی سلام بھیجتے ہوئے یوں فرمایا: "سلام على إبراهيم" (الصافات:۱۰۹)(ابراہیم پر سلامتی ہو)۔ حضرت ابراہیم کا سب سے زیادہ ذکر سورہ بقرہ میں آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: "وإذ ابتلى إبراهيم ربه بكلمات فأتمهن قال إني جاعلك للناس إماماً" (البقرہ: ۱۲۴)(جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا اور انہوں نے وہ انجام دے دیئے ارشاد ہوا کہ میں یقیناً تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں)۔

ان آزمائشوں میں سے یہ ہے کہ ظالم بادشاہ نے آپ کی بیوی پر ظلم کرنے کی کوشش کی، بڑھاپے میں آپ کو اولاد نصیب ہوئی، پھر اسے بے آب وگیاہ سرزمین میں چھوڑنے نیز اسے اللہ کے راستہ میں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، آپ بت پرست باپ کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا کئے گئے، سماج میں رسالت کا انکار اور آگ میں پھینک کر آپ کا امتحان لیا گیا، اس کے لئے

اور بھی آزمائشوں سے گذرنا پڑا جس کی تصدیق حضرت ابن عباسؓ کے اس قول سے ہوتی ہے، ابراہیم کے علاوہ کسی کو اس دین کے سلسلے میں اتنی آزمائش نہیں ہوئی اور نہ کوئی کھرا اترا، آپ کا اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کے ذریعہ امتحان لیا اور آپ نے اسے پورا کر دکھایا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے براءت لکھ دی اور فرمایا: ''إبراهيم الذی وفی'' (النجم:۳۷) (ابراہیم نے وفاداری کا حق ادا کردیا)۔ ان میں سے دس سورہ احزاب میں، دس سورہ براءت میں اور دس سورہ مومنون اور سائل سائل میں ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بے شک اسلام تین حصوں میں منقسم ہے۔

سوال یہ ہے کہ آپ کو اللہ رب العزت نے ان تمام آزمائشوں میں کیونکر مبتلا کیا؟ اس کی تفسیر ترمذی شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو انہوں نے سعد بن وقاصؓ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ سعد بن وقاص کہتے ہیں میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ عرض کیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کو ہوئی؟ تو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: انبیاء کرام پھر اس کے مثل پھر اس کے مثل لوگوں کو یہاں تک کہ انسان اپنے دین کے بقدر آزمایا جاتا ہے اگر وہ کامل دیندار ہے تو اس کی آزمائش بھی زیادہ ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کچھ کمی ہے تو اس کے مطابق آزمایا جاتا ہے، بندہ برابر آزمائشوں کے دور سے گزرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے زمین میں چلتا پھرتا چھوڑ دیتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ آزمائشوں کے دور میں اللہ سے رضامندی اور اس کا شکر بجالانے میں ایک نمونہ اور مثال تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اللہ ہمیں آزمائش میں مبتلا کرے تو ہمیں اس سے خوش ہونا چاہئے اور ہمیں اپنے اہل وعیال کے لئے اللہ کی رضامندی کا طالب ہونا چاہئے، کیونکہ ایسے شخص سے رضامندی طلب کرنا مناسب نہیں کہ جس سے وہ راضی نہ ہو، اللہ کے ساتھ آپ کا ربط وتعلق یکطرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ'' (المائدۃ:۱۱۹) (اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے)، دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: ''یحبھم ویحبونہ'' (المائدۃ:۵۴) (اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں)۔

اگر ہم حضرت ابراہیم کے بارے میں اللہ رب العزت کی اس حدیث کے ایک پہلو کا سرسری جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو تمام چیزوں اور مکمل وفاداری پر مقدم رکھا ہے، جیسا کہ ابن عطا اللہ السکندری کا قول ہے: اگر آپ اللہ کے نزدیک حضرت ابراہیم کا مقام ومرتبہ جاننا چاہتے ہیں تو ان مقام کا جائزہ لیں جو اللہ نے حضرت ابراہیم کو عطا کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ نجم میں ارشاد فرماتا ہے: ''وإبراھیم الذی وفی'' (ابراہیم نے وفاداری کا حق ادا کردیا) اور سورہ نحل میں اللہ کا ارشاد ہے: ''إن إبراھیم کان أمۃ'' (حضرت ابراہیم پوری امت تھے)۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو ''امۃ'' کا خطاب کیوں دیا گیا؟ اس کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے، کیونکہ ''قانتاللہ'' کہا گیا ہے، یعنی آپ رات میں بہت زیادہ عبادت گزار اور تہجد میں بہت زیادہ دعا کرنے والے نماز میں گریہ وزاری کرنے والے، خشوع وخضوع اختیار کرنے والے اور پرامید ہیں، مزید آپ کا اللہ کے حکم کی فرمانبرداری اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ جب اللہ نے آپ کو اپنے لڑکے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے زبان حال سے یہ کہا کہ اے میرے رب تو میرے نزدیک میرے جگر کے ٹکڑے سے زیادہ محبوب ہے، میں اپنے فرزند کو ضرور ذبح کروں گا، انہوں نے اس کو عملی جامہ بھی پہنایا جیسا کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے: ''یا بنی إنی أری فی المنام أنی أذبحک فانظر ماذا تری قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی إن شاء اللہ من الصابرین فلما أسلما وتلہ للجبین وناديناه أن یا إبراھیم قد صدقت الرؤیا إنا کذلک نجزی المحسنین'' (الصافات:۱۰۵-۱۲۰)

(اے میرے فرزند میں نے تمہیں خواب میں ذبح کرتے ہوئے دیکھا ہے تو غور کرو تمہاری کیا رائے ہے، اس نے جواب دیا اے میرے والد آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس کی تعمیل کیجئے آپ انشاء اللہ مجھے ثابت قدموں میں پائیں گے، جب دونوں نے اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالہ کر دیا اور ابراہیم نے اس کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے انہیں آواز دی اے ابراہیم تو نے خواب کو سچ کر دکھایا، بے شک ہم محسنین کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں)۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ پہلے فرمانبردار نہیں تھے؟

ہاں وہ یقیناً تھے، لیکن یہاں ذمہ داری کی تاکید اور فرمانبرداری کی تجدید کے لئے بیان کیا گیا ہے، انسان کے اوپر سخت آزمائش کے وقت حقیقت ایمان کا ایک عملی بیان ہے، اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ کیا ہم مٹی کے مانند ہیں جسے ہوا اڑا دیتی ہے یا لوہا جو پانی کی وجہ سے زنگ آلود ہوجاتا ہے، یا ہم لوگ اس سونے یا ہیرے کی مانند ہیں جسے پانی چمکدار بناتا ہے اور آگ اس کی صفائی میں اضافہ کرتا ہے۔

اسی طرح مومن کا معاملہ ہے اور حضرت ابراہیم بھی ایسے ہی تھے، لہذا ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ کیسے ہم آزمائشوں کا سامنا کریں؟ اور کیسے ہم اللہ کی رضامندی کے پابند بن جائیں؟ رضا کا مطلب پہلی نعمت کے حصول کے وقت خدا کا شکر ادا کرنا اور اس کے بعد ملنے والی نعمت پر قولی، فعلی اور عملی شکر ادا کرتے رہنا، کیونکہ جب آزمائشیں سخت ہوتی ہیں تو صدمہ کے وقت صبر کرنا اور مصیبتوں کے ساتھ ساتھ صبر پر جمے رہنا بہتر ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے کہ وہ انہیں دن، رات رزق عطا کرتا ہے اور وہ غیر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا: ''وقلیل من عبادی الشکور'' (میرے بندوں میں سے بہت کم ہی شکرگزار ہیں)، حدیث قدسی میں آیا ہے، نبی کریم ﷺ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں: میرے پاس جن وانس کی بڑی بڑی

خبریں ہیں میں انہیں پیدا کرتا ہوں اور وہ میرے علاوہ کی عبادت کرتے ہیں، میں انہیں رزق دیتا ہوں وہ میرے سوا دوسرے کا شکر ادا کرتے ہیں، میں ہی اپنے بندوں پر خیر نازل کرتا ہوں اور برائیوں کو دور کرتا ہوں ان کے لئے نعمتوں کو پسند کرتا ہوں، میں ان سے بے نیاز ہوں وہ مجھ سے گناہوں کی وجہ سے دور ہوتے ہیں اور وہ میرے بہت زیادہ محتاج ہیں، میں کسی کو اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا ہوں خواہ میرے ذکر کرنے والے، مجھ سے محبت کرنے والے، میرے حکم کو ماننے والے ہوں یا نافرمان ہوں، اگر وہ توبہ کرتے ہیں تو میں توبہ قبول کرتا ہوں اور اس کا حبیب ہوجاتا ہوں کیونکہ میں بہت زیادہ توجہ کرنے والے اور پاکیزگی اختیار کرنے والے کو پسند کرتا ہوں۔

مجھے اللہ کی بے شمار نعمتوں سے اس کی نافرمانی اور اس کے فضل کے انکار کے باوجود بکثرت لطف اندوز ہونے پر تعجب ہوتا ہے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں امریکہ سے بذریعہ ہوائی جہاز لندن لوٹ رہا تھا، میرے بائیں جانب ہولینڈ کا ایک ملحد کمیونسٹ تھا جبکہ دائیں جانب برطانیہ کا ایک کاتھولیکی تھا ملحد اس طرح بات کر رہا تھا گویا کہ وہ ہوا میں سانس لے رہا ہو اور کہہ رہا تھا کہ ''اللہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے''، اور کاتھولیکی کہہ رہا تھا کہ ''اللہ بے شمار ہے''، میں بھی ان کے ساتھ گفتگو میں شریک ہوگیا اور کہا اللہ تعالی تنہا ہے، کیا اللہ کے علاوہ کوئی ہے جو زمین وآسمان سے تمہیں رزق عطا کرتا ہو؟ جیسا کہ سورہ صافات میں ذکر ہے: "مالكم كيف تحكمون" (تمہیں کیا ہوگیا ہے تم کیسے فیصلہ کرتے ہو)۔

تو کیسے تم لوگ اس اللہ کی نافرمانی کرتے ہو جس نے ہمارے لئے زمین وآسمان کو پیدا کیا، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:'' كيف تكفرون بالله وكنتم أمواتاً فأحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم ثم إليه ترجعون'' (البقرہ ۲۸) (کیسے تم لوگ اس اللہ کی نافرمانی کرتے ہو جبکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندگی عطا کی، پھر وہی تمہیں موت دے گا پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم واپس جاؤ گے)۔

اس وقت ہم لوگ ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں کمیونسٹ بھی اور سیکولرزم بھی، اور دونوں گمراہی میں مبتلا ہیں، کمیونسٹ کا عقیدہ ہے: ''لا إلـه و الحياة مادة'' (یعنی اللہ کا کوئی وجود نہیں اور زندگی میں اس کا کوئی کردار نہیں ہے)، اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ سوویت اتحاد کے دستور کے مطابق اس پہلی دنیا کی شروعات جسے ہم نے اختیار کیا اور لمبے عرصے تک اطاعت کیا ۲۳/ ۱۰/ ۱۹۱۷ء کو ہوئی اور اختتام ۲۶/ ۱۲/ ۱۹۹۳ء ہوا، روس اس عقیدہ کو آج تک اختیار کئے ہوا ہے، یہ پہلی کڑی تھی۔

جہاں تک دوسری کڑی (کاثولیکی) کا تعلق ہے ان کا عقیدہ ہے ''ألا له الخلق و لنا الأمـر'' یعنی اللہ موجود ہے لیکن متعدد ہے وہ خالق ہے اور ہم حاکم ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، ہم سود، زنا، ظلم وستم، سرکشی کو جائز قرار دیتے ہیں اور حرام تجارت کی اجازت دیتے ہیں۔

ان ہی لوگوں نے صلیب کے نام پر پوری سرزمین کو ظلم وستم اور فسق وفجور سے بھر دیا ہے، پھر بھی ان کا جھوٹا دعوی ہے کہ وہی لوگ اولاد ابراہیم میں سب سے بہتر اور اولی ہیں، حالانکہ قرآن کریم ان کی تکذیب کرتا ہے، اس لئے کہ ابراہیم تو وہ ہیں جنہوں نے رب کو خالق مان کر ایمان لایا اور ہر چیز میں اللہ کی فرمانبرداری کی، جس کا ثبوت اس آیت کریمہ سے ملتا ہے: ''ألا له الخلق و الأمر'' یعنی خالق وحاکم وہی ہے، صرف یہی عقیدہ صحیح ہے اس کے علاوہ تمام عقائد میں فساد وگمراہی ہے، اور امت مسلمہ ہی حضرت ابراہیم کے عقیدہ کی پیروی اور یہی ان کی اولاد میں اولی اور بہتر ہے، جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: '' إن أولـى الـناس بابراهيم للذين اتبعوه وهـذا النبي والذين آمنوا والله ولي المومنين'' (آل عمران: ۶۸) (بے شک ابراہیم سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا حامی ہے)، اور دوسری جگہ فرماتا ہے: '' ما كان إبراهيم يهـوديـا ولا نـصـرانيـا ولـكـن كـان حنيفا مسلما وما كان من المشركين'' (آل

عمران: ٦٧)(ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ راہ راست والے مسلم تھے اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہ تھے)۔

لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ لوگوں سے بات کرتے وقت اپنے صحیح عقیدہ "ألا لـه الـخـلـق والأمر" کا اظہار کریں، کیونکہ سامان بنانے والے کا حق ہے کہ وہی استعمال کا طریقہ بھی بتائے، لہذا جب اللہ تعالی ہی زمین وآسمان اور جن وانس کا خالق ہے تو وہی تن تنہا اس سرزمین میں قانون بنانے کا بھی مالک ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "ألا يعلم من خلق وهـو الـلـطيف الـخبير" (الملک: ١٤)(کیا وہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ تو بڑا ہی باریک اور خبر رکھنے والا ہے)۔

حضرت ابراہیم کا اللہ کے ساتھ ربط وتعلق کے ذکر کے اختتام سے پہلے ان کے اس موقف کا بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ان کے ایمانی جذبہ اور پورے شعور کامل کے ساتھ عقیدہ توحید کی رغبت پر دلالت کرتا ہے، آپ نے صرف ایمان ہی پر اکتفا نہیں، کیا بلکہ اطمینان قلب کی تلاش میں سرگرداں رہے اور مردوں کو زندہ کرنے کی اللہ کی قدرت پر یقین کامل کی جستجو میں لگے رہے، جس کی تصویر کشی قرآن کریم یوں کرتا ہے: "وإذ قـال إبـراهيـم رب أرنـي كيف تـحي الموتى قال أو لم تؤمن قال بلى ولكن ليطمئن قلبي قال فخذ أربعة من الطير فصرهن إليک ثم اجعل على كل جبل منهم جزءاً ثم ادعهن يأتينک سعياً واعلم أن الله عزيز حكيم" (البقرۃ: ٢٦٠)(اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ابراہیم نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا ارشاد ہوا کیا آپ کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا ضرور ہے لیکن یہ درخواست اس لئے ہے کہ قلب کو اور اطمینان ہوجائے ارشاد ہوا کہ چار پرندے لیجئے پھر انہیں اپنے سے ملا لیجئے پھر ان میں کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دیجئے، پھر ان کو اپنی طرف بلایئے تو وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے

آئیں گے اور یقین رکھئے کہ اللہ بڑا زبردست اور بڑا حکمت والا ہے)۔

یہ حضرت ابراہیم کا اللہ کے نزدیک مقام ومرتبہ ہے تو ہمارا کیا مقام ہے؟

۲- والد محترم کے ساتھ حسن سلوک اگر چہ وہ کافر ہوں:

دین اسلام میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور عزت واحترام پر بہت زور دیا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی ان کے ساتھ فرمانبرداری کو اپنی عبادت کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: "وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا" (الاسراء:۲۳)(اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اس ایک رب کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا)۔حضرت ابراہیم اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ایک اعلی مثال ہیں اور آپ اپنے والد سے نرم لہجہ میں مخاطب ہوئے، حالانکہ وہ بت تراشتے اور غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، پھر بھی حضرت ابراہیم نہایت درجہ نرمی اور ان کے سامنے بے انتہا انکساری اور فروتنی کے ساتھ پیش آتے تھے، جیسا کہ سورہ مریم میں اللہ تعالی فرماتا ہے: "إذ قال لأبيه يا أبت لم تعبد ما لا يسمع ولا يبصر ولا يغني عنك شيئاً. يا أبت إني قد جاءني من العلم ما لم يأتك فاتبعني أهدك صراطاً سوياً. يا أبت لا تعبد الشيطان إن الشيطان كان للرحمن عصيا. يا أبت إني أخاف أن يمسك عذاب من الرحمن فتكون للشيطان ولياً" (مریم:۴۲-۴۵)(وہ وقت قابل ذکر ہے جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اے میرے باپ آپ کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سن سکے اور نہ دیکھے اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آسکے، اے میرے باپ میرے پاس وہ علم آچکا ہے جو آپ کے پاس نہیں تھا، سو آپ میری پیروی کیجئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا، اے میرے باپ آپ شیطان کی پرستش نہ کیجئے، بے شک شیطان خدائے رحمان کا

نافرمان ہے، اے میرے باپ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ آپ پر خدائے رحمان کی طرف سے عذاب آپڑے تو آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں)۔

حضرت ابراہیمؑ کا اس ادب وتواضع کے ساتھ پیش آنے کے باوجود ان کے والد نے سخت ردعمل کیا، جس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''قال أراغب أنت عن آلهتي يا إبراهيم لئن لم تنته لأرجمنك واهجرني مليا قال سلام عليك سأستغفر لك ربي إنه كان بي حفيا. وأعتزلكم وما تدعون من دون الله وأدعو ربي عسى ألا تكون بدعاء ربي شقيا''(مریم:۴۶-۴۸) (آذر نے کہا تو کیا اے ابراہیم تم میرے معبودوں سے پھر گئے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کرڈالوں گا اور مجھے تو ایک مدت کے لئے چھوڑ ہی دو، ابراہیم بولے آپ میرا اسلام لیں اب میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت کی درخواست کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے میں کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں تم لوگوں سے اور ان سے بھی جنہیں تم لوگ خدا کے سوا پکارتے ہو اور میں تو اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہ رہوں گا)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ کو ان کے صبر جمیل اور ادب کا صلہ اس طرح سے دیا کہ ان کو اسماعیل اور اسحاق کی شکل میں اولاد عطا کیا اور ان دونوں کو ان تمام نیکیوں کا عوض بنادیا جو ابراہیمؑ اپنے باپ میں نہ پاسکے، جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:'' فلما اعتزلهم وما يعبدون من دون الله وهبنا له إسحاق ويعقوب وكلاً جعلنا نبيا. ووهبنا له من رحمتنا وجعلنا لهم لسان صدق عليا''(مریم:۴۹-۵۰) (پھر جب وہ کنارہ کش ہو گئے ان لوگوں سے اور ان سے بھی جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب کو عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو دینی رحمت عطا کی اور ہم نے ان سب کا نام نیک اور بلند کیا۔

اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ان اعمال میں سے ہے جس کا ثواب آخرت سے پہلے دنیا ہی میں مل جاتا ہے، جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے اس کی اولاد اس کی نافرمانی کرتی ہے اور جو ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے ان کی اولاد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرتی ہے، یہ تجربہ شدہ امر ہے، لیکن افسوس صد افسوس بعض تنگ عقل لوگ ایسے ہیں جو معمولی اسباب کی وجہ سے اپنے والدین کے ساتھ بے جا اسلوب اختیار کرتے ہیں اور دعا، اطاعت فرمانبرداری، حسن سلوک اور نیکی کو صرف مستحقین کے لائق سمجھتے ہیں، یعنی جو جن صفات کا حامل ہو ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرنا چاہئے، مثال کے طور پر میں نے متحدہ امریکہ کے ایک علاقہ میں اس موضوع ''امریکی معاشرہ پر شرعی بنیاد اور اس کے نفاذ کے درمیان الفت ومحبت کی جھلکیاں'' پر ایک خطبہ دیا۔

تو ایک امریکی نومسلم نوجوان میرے پاس آیا اور کہا میں نے اس مسجد میں آپ کے خطبہ میں ذکر کردہ مسائل کے علاوہ کی تعلیم پائی ہے، میرے اسلام کے بعد کچھ لوگوں نے مجھے اس بات کی تعلیم دی کہ نیکی اور فرمانبرداری یہ ہے کہ میں اپنے والدین سے دستبردار ہو جاؤں، چنانچہ اسلام لانے کے بعد کبھی بھی ان کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا، حالانکہ پہلے اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا، اور میں ان سے الگ ہو گیا، اب ان کی حالت یہ ہے کہ وہ روتے ہیں اور بات کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے دوستوں کو میرے پاس بھیجتے ہیں اور میں یہ کہہ کر انکار کر دیتا ہوں کہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہوں اور آپ لوگوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، میں نے اس نوجوان سے کہا تو نے دو مرتبہ غلطی کی ہے، ایک مرتبہ اسلام کے ان عظیم حقوق کو سمجھنے میں جو اہل حق کو دی گئی ہے، اگر چہ وہ کافر ہوں اور دوسری مرتبہ والدین کے حقوق سمجھنے میں، لہذا تم اللہ سے استغفار کرو پھر اپنے والدین کے پاس ہدیہ وتحفہ لے کر جاؤ اور ان سے کہو کہ میں اسلام کو سمجھنے میں غلطی کر گیا تھا چنانچہ وہ نومسلم ہدیہ لے کر اپنے والدین کے پاس

گیا اور معذرت کی، پھر میں اسی صوبہ میں کسی دوسرے پروگرام کے لئے گیا تو میں نے اس نوجوان کو ہوائی اڈہ پر اپنی ماں کے ساتھ منتظر پایا جو میرا اس بات پر شکر ادا کرنے کے لئے آئی تھی کہ میں نے اس کے بچھڑے اور نافرمان بیٹے کو لوٹا دیا، اس کی ماں نے مزید یہ کہا کہ سب سے اچھا تو یہ ہوا کہ آپ نے مجھے بھی اسلام کی طرف مائل کر دیا جب کہ میں اس دین اسلام کو برا بھلا کہتی تھی جس نے مجھ سے میرے لڑکے کو چھین لیا تھا، لیکن حقیقت اسلام کو سمجھنے کے بعد میں بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی ہوں کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں بغیر دلیل کے کوئی بات نہیں سکھائی جاتی ہے، لہذا اس امریکی نوجوان نے کہا: تمام تعریف اس اللہ کی ہے جس نے میرے ذریعہ میرے والدین کو شرف بہ اسلام کیا۔

لہذا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یقیناً ہم لوگ اپنے والدین کی دعاؤں کے محتاج ہیں اور دعا کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے جنت کے تمام دروازوں کو کھلوا لیں، کفر سے براءت اختیار کریں اور جو ان کا ہمارے اوپر حق ہے اس کو اچھی طرح ادا کریں اور عملی دعا قولی دعا سے بہتر ہے (یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کا عمل زیادہ بہتر ہے بمقابلہ دعا کے) لہذا والدین کے ساتھ عملی طور پر حسن سلوک کرو کیونکہ یہ اللہ سے قریب کرتا ہے خواہ جتنی بھی دوری ہو۔

جہاں تک نیک وصالح والدین کا تعلق ہے تو وہ کامل نیکی فرمانبرداری، الفت ومحبت اور رعایت وتوجہ کے حقدار ہیں، کیونکہ یہ تمام صفات ان کے دلوں کو چھو لیتی ہیں، ان کا دل خوش ہوتا ہے، سینے کو ٹھنڈک پہنچتی ہے جس کے نتیجے میں ان کے دل سے اپنی اولاد اور آنے والی نسل کے لئے دعا نکلتی ہے، لہذا ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے پورے معاشرہ کو نیکی اور بھلائی سے بھر دے اور پورے معاشرہ میں بھلائی کو عام کر دے۔

۳- حضرت ابراہیم کا اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت:

حضرت ابراہیم کی زندگی کے کچھ ایسے نمونہ ہیں جس کو آپ نے اپنی دونوں بیویوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے میں اختیار کیا، اور ان کے مابین سنگین صورت حال پیدا ہونے پر ان کو حل کرنے کے لئے اعلی درجہ کی حکمت عملی اپنائی، ان کی زندگیوں پر طاری ہونے والی کسی بھی قسم کے بحران کو ختم کرنے کے لئے علاج ربانی کو ترجیح دی، اس سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ شوہروں اور بیویوں کے درمیان کی خلاؤں کو پر کرنے کے لئے حضرت ابراہیم کی اتباع کے ہم کتنے محتاج ہیں، حالانکہ ان کو اس حدیث کا علم بھی نہیں ہے جس کو امام ترمذی نے اپنے سند سے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے نزدیک بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے نزدیک تم میں سب سے بہتر ہوں" (سنن ترمذی) اور صحیح بھی یہی ہے کہ یہ معیار ایک سچا اور مضبوط معیار ہے، اس لئے کہ بیوی ہی تن تنہا ہے جو تمہارے فقر ومالداری، بیماری وصحت، پریشانی، آرام وراحت، دن ورات، سفر وحضر، خلوت وجلوت میں تمہاری دیکھ ریکھ کرتی ہے اور یہ ایک مسلم بات ہے کہ فطرت عادت پر غالب آجاتی ہے۔

حضرت ابراہیم اپنی پہلی بیوی کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا سلوک کرتے تھے اور وہ بھی آپ سے بے انتہا محبت کرتی تھیں، جب اس بادشاہ کی جانب سے آزمائش کی گھڑی آئی جو ان کو غصب کرنا چاہتا تھا، ان دونوں نے مل کر مشورہ کیا کہ اللہ پر بھروسہ اور اس سے دعا کے ذریعہ کیسے چھٹکارہ حاصل کیا جائے، جب بادشاہ نے آپ کی بیوی کے ساتھ سختی کا معاملہ کیا تو آپ کی بیوی نے وضو کیا اور نماز پڑھ کر یہ دعا کی: "اللهم إن كنت آمنت بك وبرسولك وأحسنت فرجي إلا على زوجي فلا تسلط علي الكافر" ۔

چنانچہ بادشاہ پر غشی طاری ہوگئی اور بار بار طاری ہوتی رہی، یہاں تک کہ اس نے ان کو چھوڑ دیا اور مزید ہاجرہ نام کی باندی ان کو دے دیا، لہذا حضرت سارہ نے اپنی باندی ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی خدمت میں پیش کیا کہ وہ ان سے شادی کرلیں تاکہ ان کی اولاد کی خواہش پوری ہوجائے، حالانکہ بہت ہی شاذ و نادر عورتیں ہیں جو اس طرح کا سلوک کرتی ہیں۔

جب حضرت ہاجرہ حمل سے ہوئیں اور حضرت ابراہیم کو اپنی بیوی حضرت ہاجرہ پر حضرت سارہ کی غیرت کا اندیشہ ہوا تو حضرت ہاجرہ نے حضرت سارہ کے جذبات اور تعظیم کی رعایت کرتے ہوئے حمل چھپانے کے لئے کمربند پہن لیا، لیکن جب اسماعیل کی ولادت کے بعد حضرت سارہ کی غیرت زیادہ بڑھ گئی تو اس وقت حضرت ابراہیم اپنی پہلی بیوی کے فضل کو بھول نہیں پائے بلکہ ان سے معذرت طلب کی اور حکم الٰہی سے حضرت ہاجرہ کو لے کر بیت اللہ چلے گئے اور انہیں بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں چھوڑ دیا اور واپس ہونے لگے تو حضرت ہاجرہ نے یہ سوال کیا: اے ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں جہاں نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی چیز؟ بار بار اس جملہ کو انہوں نے دہرایا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا اس وقت حضرت ہاجرہ نے پوچھا کہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ آپ نے کہا: ہاں، حضرت ہاجرہ نے کہا: تب تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیم کو تاخیر سے اولاد دے کر آزمایا گیا تو آپ نے اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ بے انتہا صبر کا ثبوت دیا، کوئی پریشانی ظاہر نہیں کی، کسی بھی بیوی کے حق کو فراموش نہیں کیا، ان کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچایا، بلکہ پوری وفاداری کا ثبوت دیا اور اپنی بیویوں کے ساتھ تو بہت زیادہ مہربان ثابت ہوئے یہاں تک کہ انہیں اسماعیل کی شکل میں اولاد عطا کی گئی، پھر دوسری آزمائش یہ شروع ہوئی کہ اس اولاد کو اپنے سے دور دور رکھنے کا حکم دیا گیا، حالانکہ ان کی دیرینہ خواہش اپنے محبوب اولاد کے ساتھ رہنے کی تھی۔

آپ نے حکم الٰہی کی اطاعت کی اور اللہ کے حکم کے سامنے آپ کی بیوی بھی نرم پڑ گئیں، پھر اس اولاد کو ذبح کرنے کا حکم دے کر آزمایا گیا، تو آپ نے اللہ کے حکم کو پورا کرنے کی غرض سے اپنے بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کر دیا، اللہ نے اس وقت اپنے نعمت کی تکمیل کی، پھر آپ کی پہلی بیوی حضرت سارۂ آپ کے صبر، حسن واطاعت فرمانبرداری، وفاداری اور قوم کی ناپسندیگی کے باوجود ان میں دعوت وتبلیغ میں تسلسل کی وجہ سے اللہ نے انہیں بھی یہ موقع عطا کیا وہ حاملہ ہوں۔

جس کی قرآن کریم نے اس طرح تصویر کشی کی ہے: "وامرأته قائمة فضحكت فبشرناها بإسحاق ومن وراء إسحاق يعقوب. قالت يا ويلتى أألد وأنا عجوز وهذا بعلي شيخاً إن هذا لشئ عجيب. قالوا أتعجبين من أمر الله رحمت الله وبركاته عليكم أهل البيت إنه سميع مجيد" (ہود:۷۱-۷۳) (اوران کی بیوی کھڑی تھیں پس وہ ہنسیں، پھر ہم نے انہیں بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی، بولیں ہائے خاک پڑے کیا میں بچہ جنوں گی درآنحالیکہ میں بوڑھی ہو چکی اور یہ میرے میاں (بھی بالکل) بوڑھے ہیں یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے، وہ بولے ارے تم تعجب کرتی ہو اللہ کے کام میں، اے خاندان والو تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں بے شک وہ تعریف کے لائق اور بڑا شان والا ہے)۔ یقیناً یہ بات ایک اسوہ ونمونہ ہے ان بانجھ پن اور اولاد نہ ہونے والوں کے لئے اور یہ بات ہر ایک جوڑے کے لئے نمونہ ثابت ہو خواہ اسے اولاد نصیب ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ ابراہیمی اور نبوی تربیت ہے جس نے اس گھر کو دلی محبت، عقلی فہم وسمجھ اور جسمانی عیش وآرام سے بھرا ہوا ایک باغیچہ بنادیا، میں نے تین ہزار مسلم خاندان کی مردم شماری کر کے ان کے بیانات لئے اور میں نے "دور حاضر میں ازدواجی زندگی کے حقیقی مشکلات اور اس کا عملی حل" کے نام سے ایک کتاب لکھی، ان سب کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ سب سے پہلے گھر میں زوجین

کے درمیان محبت مفقود ہوجاتی ہے، اس لئے ہمیں گھر کو محبت سے بھرنے کے لئے حضرت ابراہیم کا اسوہ ونمونہ اختیار کرنا چاہئے کیونکہ بیوی کو شوہر کے دلی محبت کی ضرورت ہوتی ہے، جب وہ اسے قیمتی ہدایا اور تحائف پیش کرتا ہے، اسی طرح شوہر اپنی بیوی کے کشادہ اور محبت سے لبریز دل کا محتاج ہوتا ہے جب اسے لذیذ کھانا اور پانی پیش کرتی ہے، کیونکہ دل محبت سے جڑا ہوا ہے اور عقل فہم کے ساتھ مربوط ہے اس کے بعد جسم ایک کڑی کے مانند ہوجائے گا۔

سچ تو یہ ہے کہ سب سے پہلے میاں بیوی یعنی ابراہیم اور آپ کی بیوی نے ازدواجی رشتہ کے درمیان خلاؤں کو پُر کیا اور الفت ومحبت فہم وسمجھ، عیش وآرام کا توازن حاصل کیا اور اس سے مانوس ہونے کے بعد اپنی اولاد، خاندان اور معاشرہ پر اس کا چھاپ چھوڑا، اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمیں ان خلاؤں کو پر کرنے کی کتنی ضرورت ہے جب کہ متبادل اشیاء فساد، فسق وفجور، تکلیف والم، خلفشار وانتشار، بدکاری وزنا کاری، تنگی اور دنیا وآخرت میں عذاب کے ذرائع بے شمار ہیں۔

۴- حضرت ابراہیم کا اپنی اولاد کے ساتھ حسن تربیت:

عقل وشعور سے سوچنے پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت ابراہیم کو طریقہ تربیت اولاد پر فوقیت حاصل ہے، جیسا کہ انہوں نے یہ کہتے ہوئے اپنے رب سے دعا کی: "**ربنا إنی أسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلاۃ فاجعل أفئدۃ من الناس تھوی إلیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون**" (ابراہیم: ۳۷) (اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کردیا ہے تیرے معظم گھر کے قریب، اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز کا اہتمام رکھیں سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں کھانے کو پھل دیجئے جس سے یہ شکرگزار رہیں)۔

اس دعا میں درج ذیل تربیت کی آفاقیت ظاہر ہوتی ہے:

الف-نماز اور مسجد کے تعلق سے ایمانی تربیت

ب-زندہ دل اور سادہ لوح جگر والوں کے تعلق سے سماجی تربیت

ج-اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہوئے مادی پہلو کا ایمانی پہلو کے ساتھ ربط و تعلق کے بے شمار نتائج

حضرت ابراہیم نے اس کو اپنی عملی زندگی کے درج ذیل مختلف پہلوؤں میں نافذ کیا:

۱- آپ تن تنہا مسجد کی تعمیر کے لئے نہیں گئے یا اپنے لڑکے کے لئے انفرادی دعا نہیں کی، بلکہ آپ کا بیٹا ہر خیر کے کام میں آپ کے ساتھ رہا، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''وإذ یرفع إبراھیم القواعد من البیت و إسماعیل ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم. ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا أمة مسلمة لک و أرنا مناسکنا وتب علینا إنک أنت التواب الرحیم''(بقرہ:۱۲۷-۱۲۸)۔

۲- اللہ تعالی کا قطعی حکم ہونے کے باوجود اپنے بیٹے کے ساتھ یہ طریقہ گفتگو اختیار کرنا اس لئے تھا تاکہ آپ اسے مطمئن کرا کر اپنے ساتھ بھلائی کے کام کے لئے رکھیں، تربیت میں اس واضح طریقہ کا آثار رونما ہوتا ہے اور عملی طور پر نفاذ کا یہی طریقہ ہے ایک ایسی کشمکش کی گھڑی میں جب آپ کو خواب میں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ آپ نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کو خواب ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ حقیقتاً آپ اپنے فرزند اسماعیل کے پاس گئے اور آپ نے اپنے بیٹے سے اسی طرح گفتگو کی جس طرح ایک باہمت انسان مہذب اولاد کے ساتھ گفتگو کرتا ہے اور آپ نے فرمایا:''یا بنی إنی أری فی المنام أنی أذبحک فانظر ماذا تری'' (الصافات:۱۰۲)، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کے حکم کے بعد بھی اس کی تعمیل کے لئے باپ کا بیٹے سے مشورہ لینا درست ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ عمل گفتگو کے ذریعہ بچوں کے طریقۂ اطمینان کو پختہ کرنے کے لئے تھا نہ کہ قطعی احکام بچوں پر فوری طور پر نافذ کرنے کے لئے تھا تا کہ بچے ایسا رویہ اختیار کریں جس سے نہ اللہ خوش ہو اور نہ آباء واجداد۔

جہاں تک اس مثالی صورت کی بات ہے تو اس کے جواب میں حضرت اسماعیل نے کہا: "یا أبت افعل ما تؤمر ستجدنی إن شاء الله من الصابرین" اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل کے درمیان گفتگو ظاہراً اور بار بار رہوئی نہ کہ ایک حالت میں اور یہ دائمی طریقہ ہے کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے، جب اللہ تعالی نے آپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا تو آپ نے بذات خود اسے کیا، آپ اپنے لڑکے اسماعیل کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کی جیسا کہ پہلے صحیح حدیث میں مذکور ہو چکا ہے۔

جب آپ محبت کے ساتھ اپنے لڑکے کے پاس گئے اور فرمایا: اے اسماعیل اللہ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے تو اسماعیل نے جواب دیا آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے اسے کر ڈالئے، حضرت ابراہیم نے کہا کیا تم میری مدد کرو گے؟ جواب ملا کہ میں تیار ہوں، حضرت ابراہیم نے کہا کہ اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے، حضرت اسماعیلؑ محبت کے ساتھ اپنے والد کی مدد کے لئے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تاریخی عمل میں ان کے ساتھ شرکت کے لئے تیار ہو گئے، جسے اللہ تعالی نے پوری دنیا کے لئے ہمیشہ ہمیش باقی رکھا ہے، اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر باپ بیٹے کے ساتھ گفتگو کا اچھا اسلوب اختیار کرتا ہے تو وہ اس کی جانب سے امید سے کہیں زیادہ خیر پائے گا۔

۳-حضرت ابراہیمؑ نے اپنی تمام اولاد کے لئے طریقۂ نصیحت کو مستقل برقرار رکھا، تا کہ آپ کی نصیحت پر آپ کی زندگی میں بھی عمل کیا جائے اور مرنے کے بعد بھی۔

الف-جہاں تک آپ کی زندگی میں نصیحت کا تعلق ہے تو یہ آپ کے اس قصہ سے ظاہر

ہوتا ہے کہ جب آپ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کی پہلی شادی کے بعد ان کا جائزہ لینے گئے، لیکن انہیں گھر میں نہیں پایا اور ان کی بیوی کی جانب سے بہت ساری شکایتیں اور تنگ وبدحال زندگی کے بارے میں سنا اور ان کی بیوی نے اپنے شوہر کے ساتھ زندگی کے کسی بھی ایجابی پہلو کو بیان نہیں کیا، اس وقت باپ (حضرت ابراہیم) کو یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہ بیوی ان کے اس لڑکے کے لائق نہیں ہے جس کی تربیت مکارم اخلاق پر ہوئی ہو، چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے کو دروازہ کی چوکھٹ بدلنے کی وصیت کی، حضرت اسماعیل نے اسے فوراً طلاق دے دیا۔

جب حضرت ابراہیم اسماعیل کی دوسری شادی کے بعد دوسری مرتبہ ان کے گھر گئے تو آپ نے ان کی بیوی کو قانع، رضامند، اللہ کی نعمتوں کا شاکر اور اپنے شوہر کی تعریف کرنے والی پایا تو آپ نے اپنے بیٹے کو اپنے دروازہ کی چوکھٹ برقرار رکھنے کی وصیت کی، چنانچہ حضرت اسماعیل نے ایسا ہی کیا۔

یہاں قابل دید بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کو دو حالتوں میں وصیت کی، سلبی اور ایجابی، پہلے میں طلاق کی وصیت اور دوسرے میں باقی رکھنے کی وصیت، جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وصیت کے ذریعہ برائی سے روکنے اور بھلائی کا حکم دینے میں یہ ایک مثبت طریقہ ہے۔

اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ باپ کو یہ قانوناً حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کی زندگی میں شادی کے بعد بھی دخل اندازی کرسکتا ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ صحیح قوانین وضوابط اور شرعی معیار کے مطابق ہو نہ کہ مزاج اور خواہش نفس کی پیروی کا مسئلہ ہو، اسی طرح والدین کو اولاد کی زندگی میں کمی بیشی میں دخل اندازی میں اصرار کرنے کا حق حاصل ہے، جہاں تک اس وصیت کا تعلق ہے جس کو حضرت ابراہیم نے اپنی وفات کے بعد اپنی آل واولاد کے لئے چھوڑا، وہ اللہ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے: "ووصى بها إبراهيم بنيه ويعقوب يا بني إن الله

اصطفی لکم الدین فلا تموتن إلا و أنتم مسلمون" (البقرۃ ۱۳۲)(اور ابراہیم اس کی ہدایت کر گئے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے میرے بیٹوں بیشک اللہ نے تمہارے لئے دین کا انتخاب فرمالیا ہے سو ایسا ہر گز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے وقت بجز مسلم کے کچھ اور رہو)، اس آیت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ وصیت کا طریقہ عبادت میں اللہ کی وحدانیت اور زندگی کے ہر پہلو میں اسلام کو مضبوطی سے تھامنے پر دلالت کرتا ہے اور یہی طریقہ آپ کے بعد آپ کی اولاد کے لئے بھی ایک نمونہ ثابت ہوا، جب اسحاق نے یعقوب کو اور یعقوب نے اپنی تمام اولاد کو وصیت کی کہ ان کی زندگی کا خاتمہ دین اسلام پر ہو اور حضرت یوسف کی آخری اور مجمل دعا یہ تھی: "توفنی مسلماً و ألحقنی بالصالحین" (میری وفات مسلمان کی حالت میں ہو اور مجھے نیک لوگوں سے ملا دے)۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کی بھلائی ان کے بیٹوں کو ملی اور آپ کے بعد آپ کا یہ طریقہ آپ کے پوتوں میں جاری رہا اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس طریقہ کو اپنے دادا ابراہیم کا طریقہ سمجھ کر اسے محفوظ رکھا، جس کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے جس کو امام ترمذی نے اپنی سند سے عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن ظہر کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے سامنے ایک موثر وعظ فرمایا جس سے آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور دل پگھل گئے، ایک شخص نے عرض کیا: یہ الوداعیہ وعظ معلوم ہوتا ہے اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمیں کس بات کی وصیت کرتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہنا اور سمع وطاعت کرنا اگر چہ کوئی حبشی غلام تمہارا حاکم بن جائے کیونکہ تم میں سے جو شخص باحیات رہے گا وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا اور تمہارے لئے یہ بھی وصیت ہے کہ نئے امور کو ایجاد کرنے سے بچتے رہنا، کیونکہ یہ گمراہی ہے، لہذا جو شخص تم میں سے اس زمانہ کو پائے اس کے لئے میری سنت اور خلفاء راشدین کا طریقہ اختیار کرنا لازم ہے اس کو مضبوطی سے تھام لو (سنن ترمذی)۔

جو سب سے موثر نصیحت ہے وہ اتحاد و اتفاق، لڑائی و جھگڑا اور تنگی اور آسانی کے سلسلہ میں ہے، حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے اندر اچھا بیج ڈالا تو اس کا پھل بھی اچھا ہوا، اللہ کی عنایت و توجہ بھی انہیں حاصل ہوئی، چنانچہ حضرت ابراہیم نے بہت ہی اچھی فصل کاٹی اور بہت ہی نفع بخش ثمرہ پایا، آپ نے اپنے لڑکے کے اندر کامل اطاعت فرمانبرداری دیکھی جب اسے ذبح کا حکم دیا گیا یا ایک بیوی کو طلاق دینے اور دوسری کو رکھنے کی وصیت کی گئی، اسی طرح حضرت اسماعیل کی اطاعت فرمانبرداری سخت گرم فضاؤں میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی مشقت میں نظر آتی ہے، اس طرح آپ قیامت تک آنے والے ہر باپ کے لئے نمونہ بن گئے، لہذا اسی طرح ہمارے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنی اولاد کے اندر ایمان کی بیج ڈالیں پھر اس کے بعد اعلی قسم کے سماجی تعلقات اور سب سے اخیر میں دنیاوی زندگی کے لئے سعی و کوشش پر زور دیں، پھر ہم اسے باہم گفتگو، شرکت اور وصیت و نصیحت کے ذریعہ عملی طور پر نافذ کریں، تا کہ ہم بہتر سے بہتر ثمرہ حاصل کر سکیں اور ہم ان عظیم مثالوں کے مشابہ ہو جائیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

''تم مشابہت اختیار کرو اگر چہ تم ان کے طرح نہیں ہو، کیونکہ لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا علاج و بہبود کا ایک ذریعہ ہے''۔

لیکن جب ہم ان مانوس مثالوں سے ہٹ کر حقیقت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ باپ تجارت اور نفع کمانے میں مشغول ہے تو دوسری طرف ماں دنیاوی فائدہ کو بڑھانے کے لئے ملازمت اختیار کئے ہوئی ہے اور وہ اپنی اولاد کو تزکیہ، تعلیم و تربیت دینا بھول گئے ہیں تا کہ وہ اپنے معاشرہ میں ایک نیک اور صالح نمونہ بن سکیں، حد تو یہ ہوگئی ہے کہ بیٹا اپنی ماں سے پوچھتا ہے کہ ابا کیوں نظر نہیں آرہے ہیں؟ ماں جواب دیتی ہے کہ تمہارے والد حصول مال کے لئے کام کرنے گئے ہیں، تا کہ وہ تمہارے لئے موٹر گاڑی، گھر، بجلی، فارم اور تعلیم کے اخراجات مہیا کرا سکیں، بچہ سوال کرتا ہے کہ ایک گھنٹہ میں کتنا کماتے ہیں؟ ماں جواب دیتی ہے

۲۰ ڈالر، لڑکے نے اپنے پاس رکھے ہوئے ڈالر کو شمار کیا تو وہ دس ڈالر نکالا پھر اس نے دس ڈالر اورقرض لیا اور اسے بیگ میں رکھا اور اپنے والد سے کہا کہ چند گھنٹوں کے لئے آپ ہمارے رہیں۔ یہ ایک حقیقی قصہ ہے نہ کہ خیالی۔

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ ہمارے بچے مربی باپ (تربیت کرنے والا باپ) کو پسند کرتے ہیں نہ کہ مالدار وغنی باپ کو اسی طرح تربیت کرنے والی ماں کو نہ کہ خادمہ کو۔

چنانچہ اے میرے بھائیو اپنی اولاد کی بہتر سے بہتر تربیت کرو اور اپنے لڑکوں کے ساتھ احسن طریقہ سے وقت گزارو، ہوسکتا ہے کہ تم بھی تقریباً ویسا ہی ثمرہ پالو جیسا کہ ہمارے باپ حضرت ابراہیمؑ نے پایا ورنہ ہم اپنے بچوں کو دنیا میں یتیم بنادیں گے اور آخرت میں جہنم کے گڈھے میں ڈالدیں گے، چنانچہ یتیم کے سلسلہ میں شاعر کا قول ہے:

یتیم صرف وہ نہیں ہے جس کے والدین زندگی کے رنج وغم کی وجہ سے گزر گئے ہوں اور انہیں ذلیل وحقیر چھوڑ گئے ہوں، حقیقتاً یتیم تو وہ ہے جسے ایسی زندگی ملی کہ ماں خلوت نشینی اختیار کرے یا باپ اپنے کاموں میں مشغول رہے۔

۵- حضرت ابراہیم کا اپنی قوم اور معاشرہ کو نصیحت وخیر خواہی:

حضرت ابراہیمؑ نے دعوت وتبلیغ اور بیان کے ساتھ ساتھ جود وسخا اور فیاضی کو بھی ملحوظ رکھا، یہاں تک کہ آپ ایک معزز مہمان نواز ثابت ہوئے، بلکہ امام مالکؒ نے ایک حدیث کے حوالہ سے یہاں تک کہا ہے کہ آپ لوگوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی، آپ کے مہمانوں کی تعظیم کی مثال یہ ہے کہ جب کچھ فرشتے انسانی شکل میں آپ کے پاس آئے تو آپ نے بہتر سے بہتر طریقہ سے ان کی تعظیم کی جس کا بیان درج ذیل ہے:

۱-حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں کے مقابلہ بہتر سلام پیش کیا جب فرشتوں نے (سلاماً)

کہا یعنی محدود زمانہ میں سلامتی ہو کیونکہ یہ جملہ فعلیہ ہے اور مخصوص زمانہ کے ساتھ خاص ہوتا ہے، جبکہ آپ نے (سلام) کہا یعنی ہر وقت اور ہر جگہ میں سلامتی ہو یہ مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ محمد اعطی اور محمد معطاء کے درمیان فرق ہے یہ زیادہ موثر اور بلیغ ہے۔

۲- آپ گھر میں پروقار اور سکون زدہ ماحول میں داخل ہوئے، نہ کہ اس طرح شور وغل کرتے ہوئے جس سے مہمان گھبرا جائیں جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے (**فـراغ إلى أهله**) پھر وہ نظر بچا کر اپنے گھر والوں کے پاس گئے۔

۳- آپ نے اپنی استطاعت سے بہتر کھانا پیش کیا، جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:
"**فجاء بعجل سمين**" (یعنی آپ ایک فربہ بچھڑا لے کر آئے)، کمزور اور دبلی پتلی مرغی نہیں۔

۴- آپ نے کھانا ان کے قریب کیا نہ کہ ان کو کھانا سے قریب کیا اور یہ تعظیم واکرام کا نہایت ہی موثر اور اعلی درجہ ہے۔

۵- آپ نے انہیں کھانے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان سے ایک انوکھی امید کے ساتھ کہا:
"ألا تأكلون" (کیا آپ لوگ تناول نہیں فرمائیں گے)، چنانچہ آپ نے اکرام وتعظیم اور عزت واحترام کا بہتر سے بہتر نمونہ پیش کیا۔

اے میرے بھائیو!

اپنے گھر کو قبلہ بناؤ جیسا کہ حضرت ابراہیم نے کیا تھا اور اسے لوگوں کے لئے کھولدو، صرف اس لئے نہیں کہ اس میں عزم وارادہ اور ولیمہ ہو، بلکہ وہ محبت، ایثار قربانی، نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کے تعاون کی راہ ہموار کرے۔

لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ سخاوت وفیاضی کا معاملہ کریں، لیکن جب ہم لوگوں کو اللہ کے دین سے منحرف پائیں تو ہم ایسا ہی عملی رویہ اختیار کریں، جیسا کہ

حضرت ابراہیمؑ نے اس وقت اختیار کیا تھا جب آپ کی قوم بت پرستی میں مبتلا تھی، آپ نے اس بلیغ انداز میں گفتگو شروع کی جس کی تصویر کشی قرآن کریم کے سورہ انعام میں اس طرح کی گئی ہے: "فلما جن عليه الليل رأى كوكباً قال هذا ربي فلما أفل قال لا أحب الآفلين. فلما رأى القمر بازغاً قال هذا ربي فلما أفل قال لئن لم يهدني ربي لأكونن من القوم الضالين. فلما رأى الشمس بازغة قال هذا ربي هذا أكبر فلما أفلت قال يا قوم إني بريء مما تشركون. إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً وما أنا من المشركين. وحاجه قومه قال أتحاجوني في الله وقد هداني ولا أخاف ما تشركون به إلا أن يشاء ربي شيئاً وسع ربي كل شيء علما أفلا تتذكرون. وكيف أخاف ما أشركتم ولاتخافون أنكم أشركتم بالله مالم ينزل به عليكم سلطاناً فأي الفريقين أحق بالأمن إن كنتم تعلمون. الذين آمنوا ولم يلبسوا إيمانهم بظلم أولئك لهم الأمن وهم مهتدون. وتلك حجتنا آتيناها إبراهيم على قومه نرفع درجات من نشاء إن ربك حكيم عليم" (سورہ انعام:۷۶-۸۳)(جب ابراہیمؑ پر رات چھا گئی، انہوں نے ایک تارے کو دیکھا بولے یہی میرا پروردگار ہے، لیکن وہ غروب ہوگیا، تو بولے میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا، پھر چاند کو دیکھا چمکتے ہوئے تو بولے یہی میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ غروب ہوگیا، تو بولے اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے تو میں بھی گمراہ لوگوں میں سے ہوجاؤں گا، پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے یہی سب سے بڑا ہے، لیکن وہ بھی غروب ہوگیا تو بولے اے لوگو! میں اس شرک سے بری ہوں جو تم کیا کرتے ہو، یقیناً میں نے تو اپنا رخ یکسو ہو کر اس کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی، وہ بولے کہ کیا یہ جھگڑا مجھ سے

اللہ کے باب میں کرتے ہو درآنحالیکہ وہ مجھے ہدایت کر چکا، میں ان سے نہیں ڈرتا جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہو، البتہ اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے، میرا پروردگار کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو کیا تم خیال نہیں کرتے، اور میں اس سے کیوں ڈروں جس کو تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے درآنحالیکہ تم تو اس سے ڈرتے نہیں کہ تم نے اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے جن کے باب میں اس نے تم پر دلیل نہیں اتاری ہے سو دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حقدار کون ہے، اگر تم جانتے ہو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے مخلوط نہیں کیا ایسوں ہی کے لئے تو امن ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں، یہ تو ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو ان کے مقابلہ پر دی تھی، ہم جس کا درجہ چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں بے شک آپ کا پروردگار بڑا حکمت اور علم والا ہے)۔

اس طرح حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم کے ساتھ عملی وسیلہ اور فنی مثال ایجاد کرنے میں مہارت رکھتے تھے، جب آپ نے اپنی قوم کے سامنے اپنے عقیدہ کو پیش کیا تو ستارہ، سورج اور چاند کو معبود کہا، لیکن جب وہ غروب ہوگئے تو اس وقت آپ نے کہا کہ غروب ہونا معبود کی صفت نہیں ہے، پھر آپ اپنی قوم کے ساتھ گفتگو اور حجت میں مشغول ہوگئے اور اپنے رب کے متعین محبوب مومن سے کہیں زیادہ بہتر انداز میں گفتگو کی اور ان کے شرکاء کے ساتھ اپنی جرأت مندی کا اظہار کیا اور اس بات کو بھی پوری طرح واضح کردیا کہ اللہ پر ایمان لانا ان کے لئے عافیت، امن و امان، سعادت وخوشمندی اور اطمینان کا باعث اور انسان کی ہر خواہش کے حصول کا ذریعہ بنے گا۔

لیکن جب آپ کی قوم مستقل بتوں کی پوجا کرتی رہی تو آپ نے اسی گفتگو پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ آپ نے ہر طرح کا عملی موقف اختیار کیا کیونکہ آپ اپنی قوم کی نصیحت کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو نبھانا چاہتے تھے، تو یہ وہی گفتگو اور عملی موقف ہے جس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''إذ قال لأبيه وقومه ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون. قالوا وجدنا آبائنا لها عابدين. قال لقد كنتم أنتم وآباؤكم في ظلال مبين. قالوا أجئتنا بالحق أم أنت من اللاعبين. قال بل ربكم رب السموات والأرض الذي فطرهن وأنا على ذلك من الشاهدين. وتالله لأكيدن أصنامكم بعد أن تولوا مدبرين. فجعلهم جذاذاً إلا كبيراً لهم لعلهم إليه يرجعون. قالوا من فعل هذا بآلهتنا إنه لمن الظالمين. قالوا سمعنا فتى يذكرهم يقال له إبراهيم؛ قالوا فأتوا به على أعين الناس لعلهم يشهدون. قالوا أأنت فعلت هذا بآلهتنا يا إبراهيم. قال بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم إن كانوا ينطقون. فرجعوا إلى أنفسهم فقالوا إنكم أنتم الظالمون. ثم نكسوا على رؤوسهم لقد علمت ما هؤلاء ينطقون. قال أفتعبدون من دون الله ما لا ينفعكم شيئاً ولا يضركم أف لكم ولما تعبدون من دون الله أفلا تعقلون. قالوا حرقوه وانصروا آلهتكم إن كنتم فاعلين. قلنا يا نار كوني برداً وسلاماً على إبراهيم. وأرادوا به كيداً فجعلناهم الأخسرين''(الانبیاء:۵۲-۷۰)۔

(وہ وقت یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم والوں سے کہا یہ کیا واہیات وخرافات مورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو وہ بولے ہم نے تو اپنے باپ کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے، ابراہیم نے کہا یقیناً صریح گمراہی میں مبتلا رہے تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی، وہ بولے کیا تم سنجیدگی سے ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو، ابراہیم نے کہا ارے دل لگی کیسی تمہارا پروردگار تو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں اور بخدا میں تمہارے بتوں کی گت بنا ڈالوں گا جب تم پیٹھ پھیر چلے جاؤ گے، چنانچہ آپ نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے ہی کر ڈالے بجز ان کے بڑے بت کے

تا کہ وہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں وہ لوگ اگر بولیں کہ یہ حرکت کس نے ہمارے ٹھاکروں کے ساتھ کی ہے، بے شک بڑا ہی غضب کردیا، بعض ان میں سے بولے تو ہم نے تو ایک نوجوان کو جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ان کا ذکر برائی سے کرتے سنا تھا وہ لوگ بولے تو پھر اس کو سب لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ دیکھیں وہ بولے کہ ارے تم ہی وہ ہو جس نے ہمارے ٹھاکروں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟

آپ نے کہا کہیں اس نے نہ کیا ہو ان کے اسی بڑے نے، سو انہیں سے پوچھ کر دیکھو اگر یہ بولتے ہوں، اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے پھر بول اٹھے بے شک تمہیں ناحق پر ہو پھر اپنے سروں کو جھکا لیا، اے ابراہیم تمہیں تو خوب معلوم ہے کہ یہ ٹھاکر کچھ بولتے نہیں آپ نے کہا تو کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان ہی پہنچا سکیں، اف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ وہ لوگ بولے اس شخص کو تو جلا دو اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے، ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں اور لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنا چاہی تھی سو ہم نے انہیں لوگوں کو ناکام کردیا)۔

اس طرح حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کے ساتھ گفتگو کی، پھر بتوں کو توڑا جس کی وجہ سے ان کے ظلم میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا اور وہ لوگ اپنے باطل پر جمے رہے، یہاں تک کہ آپ کو جلانے کے لئے متحد ہو گئے، اس وقت اللہ کی کامل مدد پہنچی اور گرم آگ ٹھنڈی وسلامتی میں اور خوف وڈر، امن وامان اور اطمینان میں تبدیل ہوگئی، لہذا ان کی قوم کو نقصان اٹھانا پڑا اور آپ نجات پا گئے، اللہ تعالی نے آپ کو فلسطین کی مبارک سرزمین میں پہنچا دیا، اور اسحاق ویعقوب کی شکل میں اولاد عطا کی اور ان دونوں کو نیک اور صالح بنایا اور تمام دنیا میں سے انہیں چن لیا۔

لیکن عجیب وغریب بات یہ ہے کہ بہت سی ان چیزوں میں ہمارے لئے توقف اختیار

کرنا ضروری ہے جن کو حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کے ساتھ ان کے کفر وناشکری اور فسق وفجور کے باوجود کیا، خاص طور سے قوم لوط کے ساتھ، کیونکہ آپ کو اسحاق اور یعقوب کے ذریعہ دوسرے انسان سے مشغول کردیا گیا، یعنی یہ بشارت دی گئی کہ عنقریب آپ کے یہاں اسحاق کی شکل میں ایک بچہ پیدا ہوگا، پرورش پائے گا اور اس سے یعقوب کی پیدائش ہوگی جب خدا کی یہ عظیم بشارت کا انتظار طویل ہوگیا تو آپ قوم لوط کے ساتھ جدل وجدال سے مشغول کردیئے گئے، آپ نے اللہ سے ان کے عذاب کو موخر کرنے کی امید ظاہر کی اور قوم لوط کو برابر دعوت وتبلیغ کرتے رہے اس امید پر کہ وہ فسق وفجور اور نافرمانی چھوڑ دیں یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو یہ بتادیا کہ وہ نشہ سے ہوش میں آنے والے نہیں ہیں اس عجیب وغریب منظر کی تصویر کشی قرآن کی ان آیات سے ہوتی ہے: "فلما ذهب عن إبراهيم الروع وجائته البشرى يجادلنا في قوم لوط. إن إبراهيم لحليم أواه منيب. يا إبراهيم أعرض عن هذا إنه قد جاء أمر ربك وإنهم آتيهم عذاب غير مردود" (ہود: ۷۴) (پھر جب ابراہیم سے خوف زائل ہوگیا اور ان کو خوشخبری مل گئی تو وہ لگے ہم سے قوم لوط کے باب میں بحث کرنے، بے شک ابراہیم بڑے حلیم، بڑے دردمند بڑے نرم دل تھے، اے ابراہیم اسے جانے دو قطعاً تمہارے پروردگار کا حکم آچکا ہے اور ان پر ضرور ایک نہ ٹلنے والا عذاب آنے والا ہے)۔

اس سے حضرت ابراہیمؑ کی اپنی قوم کو دعوت دینے کے سلسلہ میں حرص کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اتنے حریص تھے کہ بسا اوقات اپنی قوم کی وجہ سے اپنی خاص ضرورتوں کو چھوڑ دیتے تھے، بلکہ اپنی قوم کے درد وتکالیف کو اپنی اصلی ضروریات پر ترجیح دیتے، اللہ تعالی نے ان تمام چیزوں کو حضرت ابراہیمؑ کے اندر جمع کردیا تھا تاکہ ہر مسلمان کے لئے مثال ثابت ہوں اور ہر مسلمان اپنا دل، گھر اور عقل کو اپنی قوم، خاندان اور معاشرہ کے لئے کھودے ان کے اکرام وتعظیم، نصیحت وخیرخواہی، رہنمائی اور تکلیف وپریشانی پر جبر کرنے اور جمے رہنے کے لئے اور یہ

نا قابل فراموش حقیقت ہے کہ جو بھی ایسا کرے گا عنایت ربانی اسے ڈھانپ لے گی تاکہ وہ اپنی قوم، معاشرہ اور خاندان میں سب سے پہلے دنیا وآخرت میں فوز وفلاح اور کامیابی حاصل کرے اگر چہ انسان کو مخالفت، لعن طعن اور دھتکار کا سامنا کرنا پڑے اور اسے ابراہیم کے نمونے پر عمل کرنے کے بقدر اللہ کی طرف سے جانشینی ملے گی۔

میرے بھائیو!

میرے اور آپ کے لئے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم یتیموں، فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں؟ کیا ہم اپنے خاندان، قوم اور معاشرہ میں نماز چھوڑنے والوں کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں؟ اور ان کے ساتھ ہمارا کیا رویہ ہے جن کو فلموں نے، سیریل اور فساد کی رنگ رلیوں نے راہ حق سے کوسوں دور کر دیا ہے؟ کیا انہیں ہدایت کی راہ دکھانے والے لوگ ہیں؟ ہم کیوں نہیں اپنے گھروں میں ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور انہیں دل کی گہرائیوں سے دعوت دیتے ہیں اور انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی جانب کیوں نہیں بلاتے ہیں؟ اور انہیں مسجدوں اور علم کی مجلسوں میں کیوں نہیں ساتھ رکھتے ہیں؟ تاکہ وہ لوگ ہمارے شیوخ وعلماء کی مجالس میں نیک شاگرد بن جائیں اور یہ لوگ ان چیزوں کو ہماری محبت ورغبت کی طاقت اس بات میں محسوس کریں کہ ہم ان کے پکے، سچے خیر خواہ اور امانت دار دوست ہیں، تاکہ ہم لوگ دنیا کے اندر بھلائی اور نفع کے کاموں میں ساتھ رہیں اور آخرت میں جنت کے اعلی درجہ میں بھی دوش بدوش ہوں۔

کیونکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ یہ لوگ جن کو ہم نے اللہ سے دور کر رکھا ہے قیامت کے دن اللہ سے شکایت کریں گے اور یہ درخواست کریں گے کہ اے میرے رب ان سے پوچھئے کہ ان لوگوں نے برائیاں کرتے ہوئے دیکھ کر مجھے کیوں نہیں روکا؟ اور بھلائیوں کو

چھوڑتے ہوئے دیکھ کر اس کے کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا؟ اس طرح کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک نومسلم مکہ مکرمہ آیا اور کعبہ کے اردگرد گھوم کر اللہ سے شکایت کرتے ہوئے یہ کہنے لگا کہ اے میرے رب! میں تجھ سے ان مسلمانوں کی شکایت کرتا ہوں جن لوگوں نے میرے والد کو غیر مسلم کی حالت میں مرتے ہوئے چھوڑ دیا۔

۶-حضرت ابراہیمؑ کا سیاسی طاقتوں کے ساتھ مثبت پہلو

حضرت ابراہیمؑ نے برملا کفر کا اعلان کرنے والی طاقتوں کے ساتھ بہتر سے بہتر مثبت پہلو اختیار کیا اور ان کے ساتھ تشدد، قتل وغارت گری، تباہی و بربادی اور لوٹ کھسوٹ کا معاملہ نہیں کیا، بلکہ بغیر کسی ظلم وزیادتی اور کنارہ کشی کے صرف گفتگو کا پہلو اختیار کیا جیسا کہ خالق ربانی کا ارشاد ہے:"**ألم تر إلى الذى حاج إبراهيم في ربه أن آتاه الله الملك، إذ قال إبراهيم ربى الذى يحي ويميت قال أنا أحيي وأميت قال إبراهيم فإن الله يأتى بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب فبهت الذى كفر والله لا يهدى القوم الظالمين**" (البقرہ ۲۵۸) (کیا تو نے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا اس سبب سے کہ اللہ نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی جبکہ ابراہیمؑ نے اس سے کہا میرا رب تو وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے اور بولا کہ زندگی اور موت میں دیتا ہوں ابراہیم نے کہا اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا اس پر وہ جو کافر تھا دنگ رہ گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دکھاتا)۔

ہم سفید اور معمولی کپڑوں میں بھی ارشاد وبیان کا کام کریں، طاقتوں میں موثر حجت گفتگو اور سرعت وضاحت کے ایجابی پہلو میں حضرت ابراہیم کی اقتدار اور صبر وقناعت میں ایسی طاقت وقوت کا استعمال کریں جو کفر اور اہل کفر کو حیران وششدر کردے اور ان لوگوں کو ایسا دائمی

نمونہ پیش کریں جو اللہ تعالی سے اس حال میں ملنا چاہتے ہیں کہ وہ اللہ، رسول، اس کی کتاب، مسلمانوں کے رہنما اور عام لوگوں کی نصیحت وخیر خواہی کی امانت کو ضائع وبرباد نہ کر چکے ہوں، بلکہ غلط باتوں سے دور ہٹتے ہوئے اور ان حرمات کا جن کی پامالی ہورہی ہے ان کی غیرت دل میں رکھتے ہوئے خدا کے حضور پیش ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو عبادت گزار یہ خیال کرتے ہیں کہ دین کی سلامتی سیاست اور اس کے لوازمات، عام امور اور اس کے تقاضوں سے دور رہنے میں ہے تو یہ خیال ملت ابراہیمی کے مغائر ہے، حضرت ابراہیم کے طریقہ کا انکار ہے، طریقہ نبوی سے دور ہے یہ ایک ایسی سلامتی ہے جس کے لئے دنیا وآخرت میں دوام نہیں ہے، یہ دین نہیں بلکہ بزدلی اور ایسا خوف وہراس ہے جس کا ظاہری نصوص کے ذریعہ علاج ضروری ہے جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:
''إنما ذلكم الشيطان يخوف أوليائه فلا تخافوهم وخافون إن كنتم مؤمنين'' (آل عمران: ۱۷۵) (یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں کے ذریعہ سے ڈراتا ہے سو تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو اگر ایمان والے ہو)۔ بزدلی چھوڑنے، بہادری اور ادب وتہذیب سے آراستہ ہونے اور اللہ پر بھروسہ رکھنے کے سلسلہ میں اللہ تعالی سورہ زمر میں ارشاد فرماتا ہے:
''أليس الله بكاف عبده ويخوفونك بالذين من دونه ومن يضلل الله فماله من هاد'' (الزمر: ۳۶) (کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے اور یہ تم کو ان سے ڈراتے ہیں جو اس کے سوا انہوں نے بنا رکھے ہیں اور جس کو خدا گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں بن سکتا)۔

بزدلی سے چھٹکارا اور بہادری سے آراستہ وپیراستہ کے اضافہ سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہم زیادہ پڑھیں اور اس سے زیادہ غور کریں تاکہ ہمیں فکری اور سیاسی سطح پر براہ راست بات کرنے کا ملکہ حاصل ہوجائے، ایسے انٹرنیٹ کے ذریعہ بات کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے،

یہاں میں ایک ایسا قصہ بیان کر رہا ہوں جو آپ کو اس طرح کی سنجیدہ گفتگو کرنے پر آمادہ کرے گا۔

امریکہ کے ایک اسلامی مرکز میں جانے کا اتفاق ہوا جو صوبہ کناتی میں واقع ہے، ایک آدمی نے ہم سے امریکی لیڈرشپ کے ایک چیرمین سے گفتگو کرنے کو کہا جس کا نام ماجر تھا جو اسلام کو برا بھلا کہتی تھی کیونکہ اس کے علم کے مطابق اسلام عورتوں کی توہین کرتا ہے، چنانچہ میں نے اس کی دعوت اس شرط پر قبول کی کہ اس کے ساتھ گفتگو کے درمیان وہ اس کی ہدایت کے لئے اللہ سے دعا کرے گا، کیونکہ ہم لوگوں کے لئے ہدایت کو پسند کرتے ہیں جب میں نے گفتگو شروع کی تو وہ اسلام کو برا بھلا کہنے لگی، میں نے غصہ پر قابو پایا اور میں نے دوسرے مذاہب کے مقابلہ اسلام میں عورتوں کے مقام ومرتبہ اور اس کی عزت وتعظیم کی کثرت پر دلیل پیش کی، سوا گھنٹہ کی گفتگو کے بعد اس پر اللہ کی عنایت ہوئی اور اس نے "أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمدا رسول الله" کا قرار کرلیا، لہذا کمرہ میں اکٹھا ہوئے تمام لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

بخدا دنیا ہماری گفتگو کی منتظر ہے اور اللہ تعالی نے انٹرنیٹ اور دوسرے کمیونیکشن کی سہولیات فراہم کر رکھا ہے تاکہ ہم مسلمان بآسانی دعوت وتبلیغ کا کام کرسکیں اور اپنی باتوں کو ہر خاص وعام تک عزت والوں کو عزت کے ساتھ اور ذلیلوں کو ذلت کے ساتھ پہنچا سکیں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اور اس کی بشارت دی۔

۷- حضرت ابراہیم کا اصلاح مستقبل کی منصوبہ بندی:

اخیر میں یہ بات بھی بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم نے صرف اپنے سماج اور جاننے والوں میں ہی اصلاح کا کام نہیں کیا بلکہ مستقبل قریب وبعید پر نظر رکھا اور آپ نے ہی سب سے پہلے مسلمانوں کے لئے اس عظیم شعار کو اختیار کیا جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے: ''هو سماكم المسلمين من قبل" (الحج: ۷۸) (ابراہیم نے ہی سب سے پہلے تمہارا نام

مسلمان رکھا)۔ کتنا اچھا شعار ہے اور کتنا ہی اچھا انتخاب ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:
''ومن أحسن قولاً ممن دعا إلى الله وعمل صالحاً وقال إنني من المسلمين'' (فصلت:۳۳) (اور اس سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں)۔ اللہ تعالی اس شخص پر رحم کرے جو فخر واعزاز کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ ہمارا واقعہ تاریخ کی گہرائیوں تک دراز ہوتا کہ حضرت ابراہیم کو اس کا اجر وثواب پہنچتا رہے اور شعار کے دوسری پسند یہ تھی کہ ایک ایسے طریقہ کی بنیاد رکھی جائے جس کی اصلاح وتغییر کی ابتدا مصلح اور بے مثال قائد کے ذریعہ ہوئی ہے اور یہ بات حضرت ابراہیم کی اس دعا میں جھلکتی ہے جس کو قرآن نے بیان کیا ہے:''ربنا وابعث فيهم رسولاً منهم يتلو عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم إنك أنت العزيز الحكيم'' (البقرہ ۱۲۹)(اے ہمارے رب ان کے پاس ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دے تاکہ وہ ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے بے شک آپ زبردست قوت اور حکمت والے ہیں۔

ابن کثیر نے بدایہ اور نہایہ میں ایک مضبوط سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کرتا ہوں۔

یہ ایک بے مثال مشاہدہ ہے کہ اصلاح کا آغاز پسندیدہ شعار اور عظیم رسالت سے ہوا اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا آدمی ہو جو سب سے پہلے علم کو عام کرے خواہ وحی کے ذریعہ ہو یا فکر کے ذریعہ، اس کے ساتھ تزکیہ نفس اور انسانی ترقی پر بھی نظر رکھے، کیونکہ اصلاح کثرت مال اور متعدد قسم کی منصوبہ بندی سے اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک پیغام واضح نہ ہوجائے اور قوم کو ایک معلم اور مربی رہنما نہ مل جائے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہمیں از سر نو تعمیر کی ضرورت ہے، کیونکہ ہمارے پاس

گاڑیاں ہیں، لیکن اسے کھینچنے والے گھوڑے نہیں ہیں، ، مدارس ہیں مگر اس میں تربیت دینے والے مدرسین نہیں ہیں، اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ گاڑی سے پہلے گھوڑا، مدرسہ سے پہلے مربی، مسجد سے پہلے امام، کمپنی سے پہلے مالک کا انتظام کریں تاکہ حضرت ابراہیم کی دعا پر عمل ہوجائے۔

مذکورہ ساتوں ذمہ داریوں کی تکمیل میں حضرت ابراہیم کا بلند توازن ہے اور یہی مہارت کا سب سے پہلا نقطہ ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم کے متعلق قرآنی آیتوں میں غوروخوض کے بعد معلوم ہوا، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"إذقال لہ ربہ أسلم قال أسلمت لرب العالمین" (البقرۃ:۱۳۱)(وہ وقت قابل ذکر ہے جب حضرت ابراہیم کے رب نے ان سے کہا اسلام لے آؤ انہوں نے کہا میں سارے جہاں کے رب پر اسلام لے آیا)۔

یہ وہ مثال ہے جس کی اقتدا ہمارے لئے زندگی کے ہر پہلو (یعنی شیریں، تلخ، چھوٹے، بڑے ہر حالت) میں ضروری ہے تاکہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے تشہد میں حضرت ابراہیم کے ذکر کے پیچھے ایک بڑا اور موثر سبب کارفرما ہو یہاں تک کہ ہم اس توازن کو برابر دہراتے رہیں اور تاکہ زندگی کی تمام ذمہ داریوں کو پورا کرسکیں۔

تیسری بحث:

ہماری زندگی کی خلائیں اور حضرت ابراہیمؑ کی سیرت میں اس کا حل

اے میرے بھائیو! جب ہم اپنی نمازوں میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری دعا یہ ہوتی ہے کہ تشہد صرف نماز درست ہونے کے لئے نہ ہو بلکہ ہم اس سے اپنی زندگی کو سنواریں، کیونکہ آج ہماری زندگیوں میں بہت زیادہ تغیر وتبدیلی کی ضرورت ہے، اور حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالی، والد، بیوی، بچے، معاشرہ، سیاسی نظام اور حاضر ومستقبل سے تعلق وربط کے سلسلہ میں کامل نمونہ ہیں، لہذا ہم میں سے ہر ایک کو اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ وہ کون سی خامی ہے جو ہمیں اللہ سے دور کررہی ہے، ہم میں سے ہر ایک کے اندر کمی موجود ہے خواہ وہ کمی زیادہ ہو یا کم، وسیع ہو یا تنگ، چھوٹی ہو یا بڑی، بہادر تو وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے تاکہ اپنے اور رب کے درمیان کی پہلی خلا کو پر کرے اور اس کا علاج ومعالجہ کرے اور اس کا نمونہ ومثال حضرت ابراہیم کی زندگی ہے جو حقیقتاً امۃ فی رجل کا مصداق ہے۔

وہ خلائیں جس کو میں نے مشرق ومغرب، شمال وجنوب اور مغربی واسلامی ممالک کے سفر کے دوران محسوس کیا اور حقیقی آنکھوں سے دیکھا یا کسی سوال یا فیصلہ کی شکل میں میرے پاس آیا جس کے حل تک پہنچنا مقصود تھا، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱- دور حاضر میں ہم کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو علم میں فائق وبرتر ہے، لیکن دل کا سخت اور نور ایمانی سے دور ہے، نہ تو والدین کی فرمانبرداری کرتا ہے اور نہ ہی اذان سن کر نماز کے لئے جاتا ہے اور نہ دن ورات میں ذکر کرتا ہے، جیسا کہ بسا اوقات ہم عبادت گزاروں کو مسجدوں

میں عبادت کرتے ہوئے پاتے ہیں، لیکن وہ علمی، اخلاقی اور جسمانی اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں۔

۲- ہم اپنے معاشرہ میں نیک، صالح زوجین (میاں بیوی) کو دیکھتے ہیں کہ جو اپنے بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں اور انہیں اس بات پر فخر بھی ہوتا ہے کہ ان کے بچے مختلف زبانوں سے واقف ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی قرآن کی ایک آیت اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی اپنے اردگرد مصیبت زدہ مسلمانوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

۳- ہم مختلف شہروں میں متحرک داعیوں کو دیکھتے ہیں کہ جو دین ورسالت کی خدمت انجام دیتے ہیں لیکن اپنی بیوی، بچوں کی تربیت اور تزکیہ اس طرح نہیں کرتے ہیں جس طرح وہ دوسروں کو بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۴- ہم بہت سے جگری دوستوں کو دیکھتے ہیں جو دلی اعتبار سے ایک ہوتے ہیں، لیکن جب وہ کسی کام کے ارادہ سے نکلتے ہیں تو وہ مختلف سمتوں میں منتشر ہو جاتے ہیں۔

۵- ہم ٹی وی چینلوں اور میڈیائی خبروں میں دیکھتے ہیں کہ جو مسلمان دوسروں کے ساتھ تعلق اور اپنے فن ومہارت میں کامیاب ہے، اس کے اندر اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک، اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ تعلق میں ایک خلا ءپایا جاتا ہے۔

۶- جو لوگ عراق، افغانستان، سوڈان، کشمیر، چیچنیا اور ہندوصومال میں اپنے معاشرہ اور وطن کے رنج وغم کا خیال کرتے ہیں وہ تو دن کے شہسوار ہیں لیکن ان کی راتیں فساد وخرافات سے پر ہوتی ہیں، تہجد ونماز فجر اور یومیہ ذکر واذکار سے بہت زیادہ غافل رہتے ہیں۔

۷- کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی عبادت بیوی بچے، اہل وعیال اور دوستوں ورشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی پر توجہ دیتے ہیں، لیکن اپنے معاشرہ کے فقراء اور ضرورت مندوں کو فراموش کر جاتے ہیں۔

۸- کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی آپ توقیر وتعظیم کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ آپ سے

قرض لیتے ہیں اور آپ ان کے ساتھ درہم ودینار میں معاملہ کرتے ہیں، لیکن اچانک وہ مال کا حریص ہوجاتا ہے اور وعدہ وفانہیں کرتا ہے اور نہ ہی عہد وپیمان کو پورا کرتا ہے۔

۹- حقیقت میں بہت سے **لوگ** ایسے ہیں جو خوشی کے وقت آپ کو اچھے لگتے ہیں، غصہ کی حالت میں آپ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، حضر میں وہ آپ کو خوش رکھتے ہیں اور سفر میں آپ ان کو ناپسند کرتے ہیں، فقر وفاقہ کے وقت وہ تواضع وانکساری سے کام لیتے ہیں اور مالداری کے وقت تکبر اختیار کرتے ہیں اور اپنے دوستوں کے ساتھ ڈیوٹی میں نرم ترین رویہ اختیار کرتے ہیں، لیکن جب انہیں **لوگوں** کا ذمہ دار بنادیا جاتا ہے تو ان کے ساتھ براسلوک کرتے ہیں اور دشمنی مول لیتے ہیں۔

۱۰- کچھ **لوگ** ایسے ہیں جو ہر معاملہ میں کشادہ دل ہیں، لیکن ایسے بھی ہیں جن کے اندر اخلاقی بیماریاں بھی پائی جاتی ہیں اور ان کے اعمال اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ بھی طوائفوں کے دل دادہ ہیں۔

۱۱- کچھ عورتیں ایسی ہیں جو عفت وپاکدامنی کی بہت زیادہ پابند ہوتی ہیں، لیکن جب وہ اپنی یا غیر کی شادی کی محفل میں جاتی ہیں تو بہت زیادہ زیب وزینت اور بناؤ سنگار کرتی ہیں اور دوسروں کو گھور گھور کر دیکھتی ہیں یا سیر وتفریح، تعلیم یا علاج ومعالجہ کے لئے جاتی ہیں تو بے پردگی اور مردوں پر دلبری میں ماڈرن سوسائٹی کی تقلید کرتی ہیں۔

۱۲- کچھ ایسے بھی **لوگ** ہیں جو ممبروں سے آواز لگاتے ہیں یا اخباروں اور میگزینوں میں لکھتے ہیں، محفلوں میں لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کی کارروائی اور مشکلات کو آسان کرنے کی آواز بلند کرتے ہیں تاکہ حلال کی اشاعت ہو اور شادی کو آسان کیا جاسکے اور محرمات کی پابندی ہوسکے، لیکن اپنے بیٹے، بیٹی کی شادی کے وقت فرمائشوں میں حد سے تجاوز کرجاتے ہیں اور شادی کی کارروائیوں میں پریشان ہوجاتے ہیں۔

۱۳- بہت سے جوشیلے لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو نوافل کی بہت زیادہ پابندی کرتے ہیں، لیکن فرائض و واجبات کو عملی تفوق و برتری، اخلاقی معاملہ اور اجتماعی تعلق کی وجہ سے ضائع کردیتے ہیں، جب وہ کسی کو نمازوں میں مستحبات کے اندر کمی کرتے دیکھتے ہیں تو وہ اس پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں گویا کہ ان لوگوں نے حرام چیزوں کا ارتکاب کیا ہے۔

۱۴- کچھ ایسے بھی افراد ہیں جو ہوائی جہاز اڑاتے ہیں اور فضاؤں میں اڑتے رہتے ہیں اور سونا، چاندی اور تانبا کے انعامات حاصل کرتے ہیں اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ فضاؤں میں گشت کرتے ہیں، لیکن اپنے قریبی یا دور کے پڑوسی اور ان یتیموں پر (جن کے دیکھ ریکھ کرنے والے گھر سے کوسوں دور ہیں) ذرا بھی توجہ نہیں دیتے ہیں۔

۱۵- بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے معاملہ سے آپ مانوس ہوجاتے ہیں، ان کی رائے آپ کو اچھی لگتی ہے، ان کی حکمت آپ کی نگاہوں کو خیرہ کردیتی ہیں، لیکن جب وہ انتظامی مجالس میں آتے ہیں اور جب رفاہ عامہ کا ان کے مفاد خاصہ کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ حقائق کو چھپا لیتے ہیں اور کسی بھی ایسی تجویز کی مخالفت اور اس خاتمہ میں کسر نہیں چھوڑتے ہیں جو وطن، معاشرہ اور ان کے بھائیوں کے مفاد کے مطابق اس کے خاص مفاد پر اثر انداز ہو۔

۱۶- کچھ ایسے بھی افراد بھی ہیں جن کے ساتھ آپ ایک عرصہ گزارتے ہیں اور آپ کسی بات پر ان کی نکیر نہیں کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب اسے کسی بلند منصب پر فائز کیا جاتا ہے اس وقت آپ اس کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور اس کی نکیر کرتے ہیں گویا کہ اسی کی چمک نے اس کے اخلاق میں بگاڑ پیدا کردیا ہو اور اس کی مستقل مزاجی کو ضائع و برباد کردیا ہو۔

۱۷- حقیقت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو فقر و فاقہ کے وقت زہد اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ جب مالداری کا مزہ چکھ لیتے ہیں تو اس وقت پورے طور سے دنیا کی خواہشات ان کے سامنے واضح ہوجاتی ہیں اور کسی چیز سے ان کی آنکھیں نہیں بھرتی ہیں اور مال سے وہ آسودہ نہیں

ہو پاتے ہیں۔

۱۸- بہت سے نوجوانوں کے اندر اپنے ماں باپ، بھائی اور اساتذہ کے ساتھ انتہائی درجہ کا ادب واخلاق جھلکتا ہے، لیکن جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اور شیطانوں کے پاس گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں تو وہ بھلائی و برائی میں ان کی پیروی کرتے ہیں، بدزبانی، سگریٹ نوشی، معمولی باتوں پر تفاخر، لوگوں کی نگاہوں کو اپنی طرف پھیرنے کے لئے پوزیشن شمار کرا کر جھوٹ بولتے ہیں اور اسراف وفضول خرچی میں حدود جہ تجاوز کر جاتے ہیں، لہذا جب وہ گھر واپس آتے ہیں تو ان کے اندر حیا وشرم اور ادب واحترام کا کوئی پاس ولحاظ نہیں ہوتا ہے یا ان کے دوستوں کے ساتھ ان کا رویہ کچھ اور ہوتا ہے۔

۱۹- کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو سوائے اپنی بیوی یا والدین کے ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو سوائے اپنی بیوی یا والدین کے ہر ایک سے ترش روئی سے ملتے ہیں اور ہر ایک کی پہچان خوش اسلوبی، ہلکاپن، سہولت اور نرمی کی وجہ سے ہوتی ہے، ان میں سے ایک جب اپنے اہل کے پاس واپس آتا ہے تو وہ ان کے ساتھ سخت کلامی، سنگ دلی، تنگ مزاجی اور بے حیائی کے ساتھ پیش آتا ہے۔

۲۰- میں نے بہت سے صاحب تقوی یا داعیوں اور معلموں کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی دوسری عورت کے ساتھ شادی کرتے ہیں تو ان کا رویہ پہلی بیوی کے ساتھ سخت ہوجاتا ہے یہ ایک طبعی امر ہے، حضرت فاطمہؓ نے بھی اسے قبول نہیں کیا اور حضرت عائشہؓ نے بھی اسے پسند نہیں کیا، لیکن ان تمام مصیبتوں کے بدلہ وہ نئی بیوی پر جلدی اعتماد کر لیتے ہیں اور پہلی کے مقابلہ اس کے تاثرات انہیں بھاجاتے ہیں، بسا اوقات وہ اس کی تزکیہ کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زاہد، عابد، داعی یا عالم شوہر ظلم وستم کرتے ہیں اور پہلی بیوی کے ساتھ بے وفائی میں پڑ جاتے ہیں اور اپنی اولاد کے ساتھ غفلت برتتے ہیں اور بسا اوقات یہ باتیں انہیں کسی ایک کے ساتھ اختلاف،

جدائیگی اور بے اعتمادی کی حالت پیدا کردیتی ہے، کبھی کبھی بہت زیادہ صبر نہ کرنے کی وجہ سے مہلک فتنوں میں پڑجاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنی پسندیدہ چیزوں کے بارے میں تجاوز کرجاتے ہیں اور اپنے رب سے اس حالت میں ملتے ہیں کہ ان کا میلان دوسری بیوی کی طرف ہوتا ہے اور پہلی سے بے رخی ہوجاتی ہے اور اولاد ضائع ہوجاتی ہے، اس سلسلہ میں امام نسائی نے اپنی سند سے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انسان کے گنہگار ہونے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت کا حق ادا نہ کرے۔ اس مضمون کی حدیث امام احمدؒ نے مسند عبداللہ بن عمرو میں اور البانیؒ نے صحیح جامع میں روایت کیا ہے۔

۲۱- کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو لوگوں کے ساتھ انسانیت اور نخوت وخودداری میں مشہور ہوتے ہیں اور اپنی قوم کی خدمت، ان کے مشکلات کے حل اور ان کی مصیبتوں میں مدد کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں، لیکن ناگہانی کے وقت اپنے خاندان، ماں باپ، بھائی بہن اور بیوی بچوں کی ادنی (معمولی) ضرورتوں میں بھی مدد نہیں کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے اس قول کو فراموش کردیتے ہیں جس کو امام ترمذی نے اپنی سند سے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے نزدیک بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے نزدیک تم میں سب سے بہتر ہوں'' (سنن ترمذی)۔

۲۲- بعض حضرات ایسے ہیں جو اموال کے سلسلہ میں اتنے امانت دار ہیں کہ دنیاوی پیش کش ان کو متزلزل نہیں کرتی ہے خواہ پہاڑ کے برابر ہو، لیکن جنسی خواہشات کے سامنے بے قابو ہوجاتے ہیں۔

۲۳- کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جنہیں آپ مسجدوں میں صف اول میں دیکھیں گے بلکہ وہ لوگ ہمیشہ براہ راست امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے حریص ہوتے ہیں، لیکن اچانک ہمیں

اس وقت معلوم ہوتا ہے جب ہمارے پاس ان کے کارندوں کی طرف سے تلخ شکایتیں آتی ہیں ان کے اپنے کارندوں کے مالی حقوق نہ دینے کی وجہ سے، یا ان کی اپنی بیویوں کی جانب سے حقارت وذلت کی وجہ سے کئی شکایتیں آتی ہیں، یعنی معمولی غلطی کے سبب جس بناپر مرد خود کو سردار سمجھتا ہے اور بیوی کو اپنے گھر کی لونڈی، لہذا اس وقت وہ اپنی بیوی پر ظلم واستبداد کا ہر ممکن معاملہ کرتا ہے اور ان دونوں کے درمیان الفت ومحبت بالکل ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح اس وقت بھی ہمیں ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے جب ان کے پڑوسیوں، اولا دیا تجارت کے حصہ داروں کی شکایتیں آتی ہیں اگر چہ یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے، لیکن ایک حد تک ہمارے معاشرہ میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔

۲۴- میں نے عمومی طور پر مشرق میں اور خصوصاً مغرب میں دیکھا ہے کہ بہت سے مسلمان گواہی اور انتخابات میں بہت زیادہ متعصب ہوا کرتے ہیں حالانکہ مسلمان کو اس بات پر یقین ہے کہ دوسرا امیدوار اس کے خاندان، معاشرہ، مذہب، شہر، نسل، خاص یا اس کے جنس کے امیدوار سے بہتر ہے، لیکن طبیعت شریعت پر غالب آجاتی ہے اور خواہش فطرت پر جس کی وجہ سے انسان شیطانوں کی بات سنتا ہے اور آیات قرآنی کو پس پشت ڈال دیتا ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "یا أیها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی أنفسکم أو الوالدین والأقربین إن یکن غنیاً أو فقیراً فالله أولی بهما فلا تتبعوا الهوی أن تعدلوا وإن تلوؤا أو تعرضوا فإن الله کان بما تعملون خبیر" (النساء:۱۳۵) (اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو چاہے وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو وہ امیر ہو یا مفلس، اللہ بہر حال دونوں سے زیادہ حقدار ہے تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کچھ کروگے تو جو کچھ تم کررہے اللہ اس سے خوب خبردار ہے) اور اللہ کے اس قول کو بھی فراموش

کردیتا ہے:"يا أيها الذين آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا أماناتكم وأنتم تعلمون" (الانفال:۲۷)(اے ایمان والو! خیانت نہ کرنا اللہ اور رسول کی اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرنا درآنحالیکہ تم جانتے ہو)۔

نبی کریم ﷺ کی تنبیہ کو بھی فراموش کردیتے ہیں حالانکہ مومن کو آپ ﷺ کے قول پر یقین ہونا چاہئے، امام بیہقی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مسلمانوں میں سے کسی کو عامل بناتا ہے درآنحالیکہ وہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ مسلمانوں میں اس سے بہتر موجود ہے اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا زیادہ جانکار ہے تو وہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرتا ہے" (البیہقی)۔

۲۵- کبھی کبھی انسان خوشحالی میں شکرگزار رہتا ہے اور خدا کی حمد وثناء کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ کسی مصیبت کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے تو وہ جزع فزع کرتا ہے اور گھبرا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"فأما الإنسان إذا ما ابتلاه ربه فأكرمه ونعمه فيقول ربي أكرمن" (الفجر:۱۵)(لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا خداوند اس کا امتحان کرتا اور اس کو عزت ونعمت بخشتا ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ میرے رب نے میری شان بڑھائی ہے)۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"إن الإنسان خلق هلوعا. إذا مسه الشر جزوعاً" (المعارج:۱۹-۲۰)(بے شک انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ گھبرا جانے والا ہے)۔

جب انسان کو اس کے مال، صحت، عہدہ، اولاد یا اہل کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے تو وہ اپنے رب کے فیصلے سے ناراض ہوکر جزع فزع کرنے لگتا ہے، گویا کہ صرف اس کے ساتھ ہی اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ دے، کیونکہ جب اسے کسی چیز کے ذریعہ آزمایا جاتا

ہے تو ناراض ہوجاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن الناس من يعبد الله على حرف فإن أصابه خير اطمأن به و إن أصابته فتنة انقلب على وجهه خسر الدنيا والآخرة ذلک هو الخسران المبين" (الحج:۱۱) (اور انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی پرستش کنارہ پر کھڑا ہوکر کرتا ہے پھر اگر اسے کوئی نفع پہنچ گیا تو وہ اس پر جمارہا اور کہیں اس پر کوئی آزمائش آپڑی تو منہ اٹھا کر چل دیا (یعنی دنیا وآخرت دونوں کو کھو بیٹھا) یہی تو انتہائی محرومی ہے)۔

۲۶- کچھ ایسے معلم اساتذہ اور مربی ہوتے ہیں جو اپنی وسعت علم، عزوشرف کی شان وشوکت اور اعلیٰ، متوسط اور نچلی طبقہ کے لوگوں کے اندر استعماری قوت وطاقت میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، لیکن جب کوئی طالب علم ان سے کوئی پریشان کن سوال کرتا ہے یا طلباء ان کے سامنے ان کے نجی معاملہ میں کچھ پوچھ بیٹھتا ہے تو وہ مربی (تربیت کرنے والا) ومعالج کا مقام چھوڑ کر منتقم اور حاکم کی طرح رویہ اختیار کرتے ہیں، عدل وانصاف، فضل وکرم کو چھوڑ کر ظلم وستم اور زیادتی کی راہ اپناتے ہیں اور اس طالب علم کے پیچھے پڑ جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ہر سال ناکام ہوتا ہے اور ناکامی کی وجہ سے پڑھائی ترک کرکے جرائم کی دنیا میں داخل ہوجاتا ہے، لہٰذا استاذ کبھی کبھی تربیتی ادارہ کو انتقامی ادارہ میں تبدیل کردیتا ہے۔

یہ وہ خلائیں ہیں جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ یہ کبھی کبھی اللہ کے عذاب کے قریب پہنچادیتی ہیں، اور دوسرے پہلو میں کامیابی کے باوجود خوشحالی سے بدحالی کی جانب پھیر دیتی ہیں، لیکن کبھی کبھی کوئی عیب یا منفی پہلو دنیا وآخرت میں نقصان کا باعث ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں وارد ہوئی ہیں:

۱- حضرت ہیثمیؒ نے اپنی سند سے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام نے جواب دیا اے اللہ کے رسول ﷺ!

ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہے اور نہ کوئی سامان، آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوۃ لے کر آئے حالانکہ اس نے کسی کو برا بھلا کہا ہو، کسی پر بہتان باندھا ہو کسی کا مال کھایا ہو کسی کا خون بہایا ہو، کسی کو مارا پیٹا ہو، چنانچہ اسے بیٹھا دیا جائے گا اور اس کی اچھائیوں سے ان لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا اور اگر غلطیوں کا بدلہ دلانے سے پہلے اچھائیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کا گناہ ان سے لے کر اس کے اوپر ڈال دیا جائے گا پھر جہنم میں پھینک دیا جائے گا (ہیثمی)۔

ایک روایت لفظ'' أتدرون ما المفلس '' سے آئی ہے (صحیح مسلم)۔

اور یہ زیادہ موثر ہے کیونکہ سوال 'ما' استفہامیہ کے ساتھ ہوا ہے، جبکہ یہ غیر عاقل پر دلالت کرتا ہے، تو گویا کہ انسان جب ایک پہلو میں بھلائی کرتا ہے اور دوسرے میں کوئی کمی رہ جاتی ہے تو وہ بالکل مفلس ہو جاتا ہے، جیسا کہ اگر ہم ایک وسیع، ہموار، نرم اور سلیس راستہ بناتے ہیں، لیکن اس میں کوئی وسیع اور گہرا خندق (گڈھا) چھوڑ دیتے ہیں تو تمام گاڑیاں اس میں گرنے لگتی ہیں، کیا عقل مند کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ایسے راستہ میں چلنا پسند کرے، تو کیسے ہم خود کو مجروح جذبات یا ایسے رسوا کن خواہشوں کی دنیا میں جانے کی اجازت دے سکتے ہیں جو اللہ تک پہنچنے کے سارے راستے مسدود کر دے؟

کیا کسی مرد کے لئے ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی بیوی رکھے جو اطاعت فرمانبردار، حسین وجمیل، نرم دل، ماہر، باشعور اور زیادہ بچہ دینے والی ہو، لیکن اس کے اندر یہ ایک عیب ہو کہ اپنی نجی زندگی کے راز کو اپنی ماں یا اپنی سہیلیوں کو بتائے؟ یا اپنے شوہر کے دوستوں یا اپنے کام کرنے والے رفقاء سے محبت بھرے انداز میں گفتگو کرے چہ جائے کہ ان سے کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب ہو جائے۔

کیا ایسا استاذ جس کا طالب علم ہر موضوع پر فائق وبرتر اور ماہر ہو، لیکن لڑکے یا لڑکیوں

کے ساتھ اس کا خفیہ رزیل تعلق ہوتو وہ اسے گوارہ کرسکتا ہے؟

کیا کسی کمپنی کا مالک اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کا ایک ملازم ہے جو کام کو جلدی انجام دینے والا، اچھی باتیں کرنے والا اور ہر ایک کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے والا ہو، لیکن اسی دوران وہ کمپنی کے راز کو کسی دوسرے مخالف کمپنی کو بتائے یا کمپنی میں کام کرنے والے ملازموں سے ٹیکس وصول کرے یا کسی ملازمہ کے ساتھ اس کا ناجائز تعلق ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی بھی مرد یا عورت کی زندگی میں ان خلاؤں میں سے کوئی خلا ہو تو وہ ازدواجی، ملازمت اور دوستوں کے ساتھ کی زندگی کے خاتمہ کے لئے کافی ہے اور بعینہ یہی حالت اللہ تعالی کے ساتھ تعلق کا ہے۔

۲- امام بخاریؒ نے اپنی سند سے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک عورت جہنم میں اس لئے داخل ہوئی کہ وہ ایک بلی کو باندھ رکھی تھی، نہ وہ اسے کھلاتی تھی اور نہ ہی اسے زمین سے چارہ کھانے کے لئے چھوڑتی تھی'' (صحیح بخاری)۔

یہ وہ عورت ہے (جس کا نہ ہم نام جانتے ہیں اور نہ گھر نہ زمانہ) جو کبھی لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور لوگوں میں سب سے نرم گفتگو کرنے والی، اپنی قوم میں سب سے وسیع علم والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی تھی، لیکن اس نے ایک بلی کو قید کردیا جس کی وجہ سے وہ مرگئی اور ایک روح کو تکلیف دیا جس کی وجہ سے وہ فنا ہوگئی، اس جرم کی جزا صرف یہ ملا کہ وہ جہنم میں داخل ہوگئی، یہ ایک ایسا امر ہے جس سے ہر اس شخص کو روکنا ضروری ہے جو کسی اقتدار، پولس چوکی یا عدالتی محکمہ میں کام کرتا ہو، کیونکہ وہ بذات خود کسی انسان پر ظلم کر کے جہنم کے گڈھے میں جانے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالی اس سے اس ظلم کا اپنے عدل اور قدرت وطاقت سے ضرور بدلہ لے گا۔

لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ فوراً ایسی خالص توبہ کریں جس کی شرط میں سے یہ ہے

کہ اگر آپ نے دوسروں پر ظلم کیا ہے تو اس کا حق اسے دے دیں یا زیادتی کو معاف کرالیں یا یہ کہ اس کا معاوضہ دے کر اسے مطمئن کردیں اور ہمارے لئے صحیح نہیں ہے کہ ہم خواہشات نفس اور شیطانی وساوس پر کان لگائیں کہ ہم نے بہت سارے نیک اعمال کئے ہیں جو دوسروں کے حق میں کئے گئے ظلم وزیادتی کو چھپالیں گے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ولا یظلم ربک أحداً" (تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے)، لہٰذا مظلوم کا حق ہے کہ وہ اس کا بدلہ لے یا اسے معاف کردے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عادل ومنصف ہونے کے باوجود وفات سے پہلے مسلمانوں کو جمع کرکے یہ ارشاد فرمایا:"اے اللہ! میں ایک انسان ہوں اگر میں نے کسی کو بھی برا بھلا کہہ دیا ہو، لعن طعن کردیا ہو یا کوڑے لگادیا ہو تو اسے اس کے حق میں زکوۃ ورحمت بنادے" (صحیح مسلم)۔

یہ نبوی طریقہ ہے جس کی اقتداء ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کے عذاب ناراضگی، اور لعن طعن سے خوف کھاتا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ألا لعنة الله علي الظالمين" (ہود:۸۱) (سن لو اللہ کی لعنت ظالموں پر ہے)۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے:"وقد خاب من حمل ظلماً" (طہ:۱۱۱) (جس نے ظلم کیا وہ ناکام ہوگیا)، اس سے مراد دنیا وآخرت دونوں کی ناکامی ہے۔

۳- امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ فلاں عورت کی کثرت نماز، روزہ اور صدقہ کا بڑا ذکر ہوتا ہے، لیکن وہ اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے، اس شخص نے دوبارہ عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ فلاں عورت کی قلت نماز، روزہ اور صدقہ کا تذکرہ ہوتا ہے اور وہ اثوار کا صدقہ بھی کرتی ہے (اثوار اقط کا ایک ٹکڑا ہے) لیکن وہ اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ عورت جنتی ہے (مسند احمد)۔

وہ عورت جس کی اعلی پاکیزگی کا ذکر آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا کہ وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے اور نماز قائم کرنے والی ہے اور کبھی کبھی ایسا خیر کا کام کرتی ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے، لیکن اس کے اندر ایک عیب ہے اور یہ ایک بہت بڑی کمی ہے کہ وہ صرف اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے نہ کہ افعال اور مکر وفریب سے، اور یہ باعتبار جرم اس قتل سے کم ہے جس کے متعلق گذشتہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے اطلاع دی کہ یہ عورت جہنمی ہے۔

امام ترمذیؒ اپنی سند سے معاذ بن جبلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا تقریباً ایک دن ہوگیا، اور ہم چلتے رہے، میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں کی اصل نہ بتادوں، میں نے کہا: ضرور بتایئے، آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کہ اسے تم روکے رکھو، میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا ہر ایک بات پر ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! تمہارا برا ہو، لوگ جہنم میں اپنے چہرے یا گردن کے بل صرف زبان کی وجہ سے ڈالے جائیں گے (سنن ترمذی)۔ معاذ بن جبلؓ کی یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ زبان کی سنگینیاں اور اس کے بڑے مصائب لوگوں کو جہنم تک لے جاتے ہیں، حالانکہ لوگوں کے پاس اس کے علاوہ دوسری نیکیاں موجود ہوتی ہیں جیسے صدق دل، غیروں کو تکلیف نہ دینا وغیرہ، لیکن اگر وہ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتا ہے تو اسے اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

۴- امام مسلمؒ نے اپنی سند سے سہل بن سعد ساعدی سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: کیا آج ہم میں سے کسی کو بدلہ نہیں دیا

جائے گا، جیسا کہ فلاں کو دیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک اس کا تعلق ہے تو وہ جہنمی ہے، قوم کے ایک شخص نے کہا: میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہوں، اس نے بتایا کہ وہ اس کے ساتھ نکلا اور اس کے ساتھ ساتھ ٹھہرتا اور چلتا جب وہ شخص سخت زخمی ہوگیا تو مرنے میں جلد بازی کی، چنانچہ اس نے اپنی تلوار کی نوک کو زمین میں نصب کردیا اور اس کے دستہ کو اپنے سینہ کے درمیان رکھ لیا پھر تلوار پر زور دیا اور خودکشی کرلی۔ یہ شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں اس بات پر گواہ ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ اس شخص نے کہا: جس کا آپ نے ابھی ابھی جہنمی ہونے کا ذکر کیا، لوگوں میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں، راوی کا بیان ہے کہ میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں، میں اس کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ وہ پوری طرح زخمی ہو چکا تھا اور موت میں جلد بازی کی تھی اس نے اپنی تلوار کو زمین میں اور اس کے دستہ کو اپنے سینہ کے درمیان رکھ دیا تھا اور پھر اس پر زور دے کر خودکشی کرلی تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ دوسروں کی نظر میں جنتیوں کا سا عمل کرتے ہیں، حالانکہ حقیقتاً وہ جہنمی ہوتے ہیں اور بعض لوگ دوسروں کی نظر میں جہنمیوں کا سا عمل کرتے ہیں لیکن وہ حقیقتاً جنتی ہوتے ہیں۔

اس عجیب وغریب حدیث میں جنگ خیبر کے پہلے دن آزمایا گیا یہاں تک کہ لوگوں نے کہا: کیا ہم میں سے کسی کو بدلہ نہیں دیا جائے گا جیسا کہ فلاں کو دیا گیا، اچانک تمام لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ جہنمی ہے، حدیث کے اندر یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگ اس سے غافل تھے ایک صحابی نے اس کی خبر کو عام کیا اور اس کو اس نادر بہادری کے باوجود زخموں کی تاب نہ لاکر خودکشی کرتے ہوئے دیکھا جس کی وجہ سے وہ جہنم کا مستحق ہوگیا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث خواہ وہ مفلس کے سلسلہ میں ہو یا اس عورت کے سلسلہ میں جس نے بلی کو تکلیف دی، یا اس عورت کے بارے میں جس نے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دی یا اس

بہادر کے بارے میں جس نے خودکشی کرلی ان تمام کا جڑ ایک ہی امر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے اندر ایک ایسی کمی ہے جو اس کے اور اللہ کی رضا اور جنت کے درمیان حائل ہوجاتی ہے یا جہنم تک پہنچادیتی ہے۔

"**سیدنا ابراهیم أمة فی رجل**" کی سیرت کے مطالعہ کے بعد ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس ساتوں ذمہ داری والے پہلوؤں کے کامل تصویر کو اختیار کریں تا کہ اپنی زندگی کے ان خلاؤں کو پر کرسکیں، یقیناً ہم حضرت ابراہیم کی طرح کامل ذمہ داریوں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں، کیونکہ وہ معصوم نبی اور رسول ہیں، لیکن کم از کم ہم خواہش نفس اور شیطانی وسوسوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں تا کہ ہمارے پاس نفاق کی کوئی خصلت باقی نہ رہے اور نہ ہی گناہ کبیرہ یا سبع موبقات (سات گناہ) کی کوئی عادت باقی رہے، کیونکہ اگر معمولی لغزش باقی رہ جاتی ہے تو اس کے ساتھ اللہ کے پاس نجات کی امید باقی رہتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:"**الذین یجتنبون کبائر الإثم والفواحش إلا اللمم إن ربک واسع المغفرة**" (نجم:۳۲) (جولوگ بڑے گناہوں اور کھلی بے حیائیوں سے بچتے رہے مگر یہ کہ کبھی کسی برائی پر پاؤں پڑ گئے سو تیرے رب کا دامن مغفرت والا اور بہت وسیع ہے)۔

یہ وہ پہلا علمی سبق ہے جس کو ہمارے لئے (ہر نماز کے اندر تشہد یا پھر ہر اس آیت میں جس کے اندر ہم حضرت ابراہیم کا ذکر کرتے ہیں) استحضار کرنا ضروری ہے، لیکن ہمارا سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ ہم کس طرح ملت ابراہیمی کی اتباع کریں تا کہ ہمیں اپنے اوپر ملال نہ ہو، جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:"**ومن یرغب عن ملة إبراهیم إلا من سفه نفسه ولقد اصطفیناه فی الدنیا وإنه فی الآخرة لمن الصالحین**" (بقرہ:۱۳۰) (اور ابراہیم کے مذہب سے کوئی نہیں پھرے گا مگر وہی جس نے اپنے کو احمق بنالیا ہو اور ہم نے تو ان کو دنیا میں بھی برگزیدہ کرلیا تھا اور آخرت میں بھی وہ زمرۂ صالحین میں ہوں گے)، لہذا حضرت ابراہیم علیہ

اسلام اور ہمارے نبی ﷺ کی سیرت کے کامل نمونہ پر قیاس کرتے ہوئے ان اہم علتوں، کمیوں اور خلاؤں کو جاننے اور اس کا حل تلاش کرنے کی ہمت ہمارے اندر پیدا ہو جائے گی، کیونکہ تمام لوگ موت سے پہلے ان مفقود پہلوؤں کی از سر نو تعمیر کے محتاج ہیں، اللہ کی پناہ، ہم اپنے آپ کو اللہ کے غضب یا جہنم کے گڑھے میں اس مجرم کی طرح پاتے ہیں جو اصول قانون کی مخالفت کرتا ہے اور جیل میں عمر قید کی سزا پاتا ہے اور وہ اس بات کی استطاعت نہیں رکھتا ہے کہ وہ ایک قانونی دفعہ کی مخالفت کی وجہ سے دوسرے قوانین کے پابند ہونے کا دعوی کرے تاکہ اسے جرم سے چھٹکارامل جائے، لہذا ہم چاہتے ہیں کہ زندگی کے ہر پہلو کی تجدید کریں جیسا کہ ہم مسجد کے اندر صف اول کی حاضری کو ضروری سمجھتے ہیں اور ہم اداروں اور سامان بنانے والی کامیاب کمپنیوں کو طریقۂ اسلام پر ڈھالنا چاہتے ہیں جیسا کہ ہم اپنے بھائی بہنوں کے لئے انتہائی پختہ علم کو پسند کرتے ہیں، اسی طرح ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جب شادی ہو تو زوجین کے اندر بے انتہا دلی محبت ،عقلی مفاہمت اور جسمانی عیش و آرام ہو اور ہم اپنے اردگرد احساسات کا ادراک کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہم امت کی فکر میں زندگی بسر کریں نہ کہ اُمۃ کی فکر میں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ لوگوں میں بحیثیت امت کے تھے۔

کس طرح ہم عملی اعتبار سے اس پیدا شدہ توازن کو بدل سکتے ہیں جس کا میں نے مفصل طور پر اس سبق میں ذکر کیا ہے تاکہ میں تکرار سے بچتے ہوئے اپنی تالیف کردہ ان عملی تربیتی نسخوں کو ان حضرات کی خدمت میں پیش کرسکوں جو خلوص و سنجیدگی کے ساتھ پہلے خود کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں پھر اپنے معاشرہ کی اصلاح، امت کو مستحکم اور دنیا کو بچانے کی کوشش میں مصروف عمل رہتے ہیں، ان تربیتی درس میں سے درج ذیل یہ ہیں:

۱- شیطان کے ساتھ کشمکش

۲- روزہ چار طرح کی خواہشوں پر قدغن لگاتا ہے

۳- رمضان کے بعد ایمان کی پائیداری

۴- سخت دلوں کی اصلاح کے لئے پانچ عملی ذرائع

۵- داعیوں یا رہنماؤں کی ہجرت

چنانچہ تم ایک قوم کی طرح بن جاؤ، جبکہ بظاہر تم صرف ایک آدمی ہو اور اپنے پیچھے والوں کو اللہ کے حوالہ کر دو جیسا کہ اللہ تعالی کا حضرت ابراہیم کے بارے میں قول ہے: "**وجعلها كلمةً باقيةً في عقبه لعلهم يرجعون**" (زخرف:۲۸) (اور اس کو اس نے ایک پائیدار روایت کی حیثیت سے چھوڑا اپنے اخلاق میں تاکہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں)۔

آپ نے اپنے پیچھے اللہ کے کلمہ کو چھوڑ دیا جس سے لوگ ہدایت پائیں، آپ جس مسجد میں بھی گئے وہاں اللہ کے نور (کلمۃ اللہ) کو عام کیا، اللہ کے کلمہ سے مراد وہ قرآن مجید ہے جس کے اندر مختلف موضوعات ہیں، بھلائیوں کے ذکر سے بھرا پڑا ہے، انوکھی مثالیں ہیں، یتیموں کی کفالت کا ذکر ہے، اپنے فلسطینی بھائیوں کے بارے میں احساس، غور وفکر کا تذکرہ ہے اور عراق کے بکھر جانے کے بعد تعمیر نو میں شرکت کا بیان ہے، لہذا ہمیں اس میں حصہ لینا چاہئے اور اسے اپنے گھر کی مصیبت سمجھنی چاہئے نہ کہ باہر کی۔

اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے معاملہ کی رہنمائی کرنے کی ہدایت دے اور ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرنے والا بنادے (آمین)۔

خلاصہ

۱۔قرآن کریم اور سنت نبویہ میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر بکثرت موجود ہے، تقریباً ۶۹ مرتبہ آپ کا ذکر آیا ہے، ان میں سے کچھ آیتیں ایسی ہیں جو تمام امت کے ساتھ آپ کے ربط وتعلق کی تائید کرتی ہیں، کیونکہ آپ نے ہی ہمارا نام ''مسلمان'' رکھا، آپ کی **ملت** وشریعت کی پیروی کرنا واجب ہے، آپ ابو الانبیاء ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم کے ساتھ ارکان حج کا ربط وتعلق کا، آپ نے ہی اپنے لڑکے حضرت اسماعیل کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور بیت اللہ کو پاک کیا، **لوگوں** میں حج بیت اللہ کا اعلان کیا، پہلے آپ نے مکہ کے لئے امن وامان کی دعا کی، پھر رزق میں برکت کی دعا کی اور ہمیں اپنے مقام کو سجدہ کی جگہ بنانے کا حکم دیا، جیسا کہ قرآن کریم دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فوقیت پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔قرآن کریم میں جو کچھ آپ کے متعلق مذکور ہے سنت نبویہ سے اس کی تائید ہوتی ہے بلکہ سنت نبویہ میں اس کی وضاحت اور نئے نئے معانی کا اضافہ بھی موجود ہے، ان میں سے یہ ہے کہ حضور ﷺ سیرت وصورت کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ کے سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور حضرت ابراہیم اور آپ کی بیوی حضرت سارہ کا ظالم بادشاہ کے ساتھ واقعہ کو حدیث نے مفصل بیان کیا ہے جیسا کہ سنت نبویہ نے حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ، مکہ کے اردگرد آبادی کی ابتداء اور ان دونوں کی وجہ سے برکت کے قصہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ کے لئے اسی طرح دعا کی جس طرح ابراہیمؑ نے مکہ کے لئے

امن وسکون اور وسعت رزق کی دعا کی، جیسا کہ حضرت ابراہیم کے طرز سے خانہ کعبہ کی عمارت کو کم کرنے کے سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ بیان آچکا ہے، اس کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ کا ارکان نماز وحج کے ساتھ رشتہ وتعلق کے سلسلہ میں تفاصیل موجود ہیں اور حدیث نبویہ میں بھی حضرت ابراہیم کا ارکان نماز وحج کے ساتھ رشتہ وتعلق کے سلسلہ میں بے شمار روایات موجود ہیں اور حدیث نبویہ نے حضرت ابراہیم کی نمایاں خصوصیتوں کو پیش کیا ہے، جیسا کہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ روئے زمین کے سب سے بھلے انسان ہیں قیامت کے دن مخلوق میں سب سے پہلے آپ کو کپڑا پہنایا جائے گا، آپ لمبے قد وقامت والے ہوں گے، آپ کے اردگرد بچے ہوں گے جو ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے، آپ نے سب سے پہلے مہمان نوازی کی، آپ نے ختنہ کرایا، مونچھ کتروایا، بڑھاپے کے اثرات کو دیکھ کر خوش ہوئے۔

۳- اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو نمایاں اور ممتاز کرنے والا سب سے اہم نقطہ ساتوں اہم ذمہ داریوں کی تکمیل ہے، اور وہ سات یہ ہیں:

آپ کا اپنے رب، اپنے والد، بیویوں، بچوں، قوم، سیاسی طاقت اور مستقبل کی اصلاح کا تعلق تھا، کسی بھی پہلو میں معمولی درجہ کی بھی کمی نہیں تھی۔

۴- حضرت ابراہیمؑ کا اللہ تعالی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا، آپ ہمیشہ اللہ کے ذکر واذکار، شکرگزاری، دعا حلم وبردباری اور عنایت وتوجہ اور کامل وفاداری میں مشغول رہتے تھے، آپ اللہ کے حکم کی تعمیل میں مکمل نمونہ تھے، خواہ وہ حکم نفس پر جتنا بھی شاق ہو۔

۵- آپ کے والد کے کافر ہونے اور آپ کے ساتھ سختی کرنے کے باوجود ان سے آپ کا تعلق ایک قابل تقلید نمونہ پیش کرتا ہے اور یہ ایک ایسی مثال ہے جس کی اتباع نرمی، ادب، نصیحت وخیر خواہی اور پاکیزہ اخلاق میں کی جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ کے مطابق اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک

فرمانبرداری اور محبت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

٦-حضرت ابراہیم نے عام طور سے اپنی دونوں بیویوں کے درمیان عدل وانصاف میں حسن معاشرت کی اعلی مثال پیش کی اور آپ نے خصوصا اپنی پہلی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ حکمت وربانیت کا اس وقت اعلی نمونہ پیش کیا جب آپ کو اس ظالم بادشاہ کے ساتھ آزمایا گیا جو حضرت سارہ کو غصب کرنا چاہتا تھا اور اپنی دوسری بیوی حضرت ہاجرہ کے ساتھ بھی اعلی قسم کی خیر خواہی کی جب وہ حاملہ ہوئیں اور حضرت اسماعیل کو جنیں تو آپ نے انہیں بیت اللہ کے قریب چھوڑ دیا اور ان سے حضرت اسماعیل کی مستقل طور سے دیکھ بھال کرنے کو کہا، آپ نے اس طرح کے اخلاق کا مظاہرہ کیا جیسا کہ شوہر کو بیوی کے بانجھ ہونے اور بچہ جننے کے وقت کرنی چاہئے۔

٧- حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کی تربیت میں قابل فہم ومفید عمل کا کردار پیش کیا درآنحالیکہ آپ نے پہلے ایمانی تربیت کا اہتمام کیا پھر دوسرے نمبر پر معاشرتی تربیت اور اخیر میں مادی تربیت پر توجہ دی اور ساتھ ساتھ عملی تربیت کو بھی ملحوظ رکھا اس طرح کہ آپ اپنی اولاد کو اپنے ساتھ مسجد لے جاتے اور ہر موقف میں اپنی اولاد کے ساتھ مناسب طریقۂ گفتگو اختیار کرتے، یہاں تک کہ شریعت کے قطعی حکم میں بھی، جیسا کہ آپ اپنی اولاد کے لئے اپنی زندگی اور مرنے کے بعد طریقۂ وصیت بھی بتلا گئے، سنت ابراہیمی کی روشنی میں اپنی اولاد کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کے لئے ان طریقوں اور وسائل کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

٨- حضرت ابراہیم کا اپنی قوم کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ وہ ان کو زیادہ سے زیادہ اپنی جانب سے عطا کرنے اور نصیحت وخیر خواہی کے قبول کرنے پر حد درجہ حریص تھے، ضرورت مندوں اور مہمانوں کے لئے اپنے گھر کو مرکز بنانے میں ان کا اعلی موقف بھی نمایاں ہے۔

اسی طرح دعوت وتبلیغ میں نئے نئے وسائل اختیار کرنے میں بھی آپ کا موقف بالکل الگ اور جداگانہ ہوتا ہے، جیسا کہ آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی

کہ ستارے، چاند، سورج معبود ہیں جن کی عبادت کی جاسکتی ہے، پھر اس کے بعد آپ نے بتوں کو توڑنے اور اپنی قوم میں اپنے عقیدہ کو پھیلانے کے لئے مصیبتوں کو اپنا لینے کا عزم کیا، جس کا شمار دعوتی وسائل میں جدت وابتکار کے ساتھ انسانی عطیہ اور اجتماعی ذہانت کی ضرورت وحاجت میں ہوتا ہے۔

۹- حضرت ابراہیمؑ نے سیاسی طاقتوں کے ساتھ مثبت رہنمائی کا الگ نمونہ پیش کیا، جب کہ اس وقت کی سیاسی طاقت ظالم، کافر اور ملحد تھی، آپ نے نمرود سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی، یا اس کے خلاف دشمنی نہیں مول لی، بلکہ آپ نے بہترین طریقۂ گفتگو اور ایسا ہوشمندانہ حجت اختیار کیا جس سے کفار ومنکرین ہکابکا رہ گئے جو سیاسی عمل کے لئے ایک بنیادی ضرورت کے مثل ہے۔

۱۰- حضرت ابراہیمؑ نے صرف اپنے ہی زمانہ کے لوگوں کی اصلاح پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ آپ کے دل میں قیامت تک آنے والے لوگوں کی اصلاح کی فکر کی ذمہ داری دی گئی جس طرح آپ کو امت کے لئے بطور شعار عمدہ اور اعلی نام (المسلمین) چننے کی توفیق دی گئی، آپ نے اللہ سے دعا کی کہ وہ امت میں ایک شخص کو مبعوث فرمائے اور آپ نے اس کی ذمہ داری یہ بتلائی کہ وہ تلاوت، علم اور تزکیہ میں لوگوں کی رہنمائی کا کام انجام دے لہذا اصلاح کی ابتداء اسی وقت ہوتی ہے جب اس شخص نے رسالت کو اختیار کیا پھر تمام لوگوں تک اسے پہنچایا۔

۱۱- اگر ہم موجودہ دور میں اصلاح چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی سے ان بڑی کمیوں کو ختم کریں جو ہمیں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ذمہ داریوں کی کامل اقتداء سے دور کررہی ہیں، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص فکری پہلو کے مطابق روحانی پہلو کا اہتمام کرتا ہے اور جو شخص علمی مفردات کا اہتمام کرتا ہے وہ دل کا سخت ہوتا ہے اور جو اپنی عقل ودل کی بات مانتا ہے وہ باپ ماں بھائی بہن، بیوی، بچے، پڑوسی رشتہ دار اور دوستوں کے ساتھ

بد اخلاقی سے پیش آتا ہے، کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی عبادتی علامت ان کے یومیہ معاملات سے مخالف ہوتی ہے، اور کچھ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت کنارہ پر کھڑے ہوکر کرتے ہیں اگر انہیں ان کی آل اولاد، جسم، مال یا آزادی میں کسی طرح کی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ منھ پھیر کر چل دیتے ہیں، بعض افراد ایسے بھی ہیں جو تجارت میں مہارت رکھتے ہیں، لیکن اپنی بیوی کے ساتھ تعلق اور اپنی اولاد کی تربیت میں بالکل ناکام ہوتے ہیں۔

مالداری کی حالت کے بدون فقر کی حالت میں، غیض وغضب کے بجائے رضامندی کی صورت میں، بیماری کے بجائے صحت وتندرسی کی حالت میں نیز اجتماعی شورشوں سے دور رہ کر انفرادی طور پر خیر کے امور میں مصروف ہوتے ہیں۔

لہذا وفات اور جہنم میں ڈالے جانے سے پہلے ان تمام کمیوں کو سنجیدگی کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے ایسے وقت میں جبکہ آپ کی سنت اور ابراہیم کی ملت کی پیروی اچھی طرح ہمارے لئے ممکن ہے، تاکہ ہم اپنی زندگی کی خلاؤں کو پر کرسکیں۔

کلمہ غلاف

یہ کتاب قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت ابراہیم کی تروتازہ سیرت کی وجدانی، عقلی اور دلی کیفیت کی غماز ہے اور ابرائیم کے مثبت پہلو وسیرت وکردار کو ممیز اور نمایاں کرنے میں بہترین مواد ہے، اس کتاب میں ابرائیم کی ساتوں ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کے متعلق بیان ہے، اپنے رب کے ساتھ ان کا تعلق کیسا تھا اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا، اپنی قوم کے ساتھ کیا برتاؤ تھا، سیاسی امور کو کس خوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے اور مستقبل کی اصلاح میں ان کا کیا کارنامہ تھا، پھر ہماری زندگیوں سے خامیوں کو دور کرنے میں کیا رول رہا ہے، خواہ وہ خامیاں روحانی ہوں یا فکری، خلقی ہوں یا سماجی، یا اقتصادی، پروپیگنڈہ سے تعلق رکھنے والی ہوں، ان تمام خامیوں کو دور کرنے میں حضرت ابراہیم کی کوشش بجائے وہمی ہونے کے خالص حقیقی اور الہامی تھی۔